مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم
قرآنِ حکیم کے آئینے میں

جس کے مقدمہ میں مقام محمد ﷺ احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی صاحب مدظلہم

ترتیب
سید عزیز الرحمٰن



باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : صفر مطابق اپریل ۲۰۰۵ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 238 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

.... ملنے کے پتے ....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کا پتہ

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین

پیش گفتار

کوئی تیس سال پہلے حضرت عائشہؓ کا یہ قول پڑھتے ہوئے کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ ذہن میں خیال آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قرآن حکیم کی روشنی میں قلم بند کی جائے، وہ کوئی نیک ساعت تھی کہ یہ خیال ذہن میں راسخ ہوتا گیا، اور پھر قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے یہی نکتہ سامنے رہتا، کتاب کی ترتیب بھی ذہن میں واضح ہوتی گئی کہ سیرت سے متعلق کتاب کے تین حصے ہوں۔

پہلا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق ہو، دوسرے حصے میں آپ ﷺ کے فضائل وکمالات کتاب اللہ کی روشنی میں پیش کیے جائیں، اور تیسرا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کے بارے میں ہو، کیوں کہ آپ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجنے والے کا ارشاد ہے کہ

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ (سورۃ القلم، آیت ۴)

اور آپ (ﷺ) بلاشبہ خلق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔

کتاب کا پہلا حصہ حیات محمدی قرآن کے آئینے میں دس بارہ سال پہلے شائع ہو چکا ہے! اور اب اس کی دوسری اشاعت کے لئے نظر ثانی کی جا رہی ہے، اب آپ کے ہاتھوں میں کتاب کا دوسرا حصہ ہے، مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے آئینے میں۔

اس کتاب کی تالیف میں کئی طویل وقفے آئے، اور راقم الحروف کو پوری طرح احساس ہے کہ اس وقفے سے کتاب کی صورت وہ نہ ہو سکی جو میرے پیش نظر تھی، بہر حال سیرت سے متعلق ہر کوشش نقش ناتمام ہی رہتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فہم قرآن کی کوئی درجہ بندی نہیں کی جا سکتی، اس کتاب میں لوگوں نے دنیا جہاں کے تمام علوم و معارف کے خزانے پائے ہیں، اور کاروان علم اسی کے سہارے آگے بڑھا ہے، تعلق بالقرآن وہ بنیاد ہے، جس کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں کو علمی خزانے عطا کرتا ہے، یہ اللہ کی توفیق اور اس کے کرم کا معاملہ ہے۔

قرآن حکیم کے معارف کا اندازہ ہماری تفسیروں سے کسی حد تک ممکن ہے، ہر مفسر نے اپنے ذوق کے مطابق اس کتاب سے اپنا حصہ پایا ہے۔ کسی نے انسانی فکر کے اس منظر میں نئے جہانوں کو دیکھا ہے، کسی نے فصاحت و بلاغت کے اصول دریافت کیے ہیں، کس نے مختلف علوم اور انکشافات تک رسائی حاصل کی ہے۔ ان اکابر کی قرآن فہمی سے اپنے موضوع کی حد تک میں نے بھی مختصر پیمانے پر فیض اٹھایا ہے۔

اس کتاب کی تالیف وتصنیف کے لئے سرسید یونیورسٹی کے مرکز مطالعہ سیرت سے وابستگی نے ذرائع اور وقت فراہم کیا، اس کی اشاعت کو السیرہ عالمی کی

اشاعت نے ممکن بنایا، عزیز محترم سید فضل الرحمٰن کی توجہ اور سید عزیز الرحمٰن کے تعاون نے نا تمام کتاب کی تکمیل پر ابھارا، اور یہ سلسلہ السیرہ کے شماروں کے ذریعے پڑھنے والوں کے سامنے آیا، بلکہ اختتامی اجزا تو السیرہ عالمی کے اگلے شمارے کے لئے مرتب کئے جاتے تھے۔

ایک اہم فائدہ یہ مرتب ہوا کہ اس کے حواشی کی صحت اور تفصیل کا کام عزیزی سید عزیز الرحمٰن سلمہ نے انجام دیا، اور مجھے اس طرف سے بے نیاز کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے کئی گوشے اس مطالعے میں نہیں آسکے جو قرآنِ حکیم میں موجود ہیں، لیکن کام بہت ہے اور وقت شاید اتنا زیادہ نہیں، اس لئے دوسرے حصے کو میں نے اشاعت کے قابل سمجھ کر عزیز الرحمٰن صاحب کے سپرد کیا، تاکہ اس مطالعے کے تیسرے حصے یعنی اخلاق محمد ﷺ کا کام شروع کر سکوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظمت اور سیرت کے نئے نئے پہلو اور گوشے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نظروں کے سامنے آتے جائیں گے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دامن دامن قیامت سے جڑا ہوا ہے، اللہ کا احسان اور کرم ہے کہ اس نے مجھے سیرت نگارانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صف میں شمولیت کا اعزاز عطا کیا، میری مثال اس بڑھیا کی سی ہے، جو سوت کی انٹی لے کر یوسف علیہ السلام کی خریداری کو نکلی تھی، میرے پاس نہ علم ہے نہ وہ سلیقہ جو سیرت نبوی ﷺ کا احاطہ کر سکے، ہاں وہ دل ضرور ہے جو اس اسم گرامی کی تکرار سے دھڑکتا ہے، اور اس دھڑکن کو اپنی زندگی سمجھتا ہے، جن کے مقام کا یہ تذکرہ ہے، ان کا یہ قول دل کی ڈھارس بندھاتا ہے، کہ انما الاعمال بالنیات۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے یقین ہے کہ وہ گدا کے ان جذبات کو قبول فرمائے

گا، جن سے یہ دل زندہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے، جنہوں نے اس سلسلے کو پسند کیا، اس پر تنقید کر کے میری اصلاح فرمائی، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل ہو سکے۔

سید محمد ابوالخیر کشفی

/ مطابق ۲۶ر نومبر ۲۰۰۴ء

مقدمۃ الکتاب

مقام محمد ﷺ

احادیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اسی کو ہم قرآن حکیم کہتے ہیں۔ قرآن کا ہر لفظ اور حرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ جو لوگ صرف قرآنِ حکیم کے مضامین و مطالب کو وحی سمجھتے ہیں وہ شدید گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنی کتاب مقدس میں اپنی کتاب کا جس طرح ذکر کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کے الفاظ قلبِ محمدی پر اتارے گئے۔ یہ کتاب حق کے ساتھ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔

ذَالِکَ بِأَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ (۱)

ایسی کتنی ہی آیات کتاب مقدس کے بارے میں موجود ہیں۔ ہم صرف ایک اور آیت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں مسلمانوں سے راست خطاب ہے اور قرآنِ حکیم پر ایمان کو مسلمان ہونے کی لازمی شرط کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

(۱) سورۂ البقرہ، آیت ۱۷۶

''کتاب'' کا لفظ ہی اس کے منزل من اللہ ہونے کی شہادت ہے۔(۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ (۳)

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اُس کتاب (۴) پر جو پہلے نازل کی تھی، اور جو کوئی اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور یوم قیامت پر یقین نہ رکھے اور ان (سب) سے انکار کرے تو وہ بہک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا۔

قرآنِ مجید کے احکام کی علمی و عملی تشریح و تفسیر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک اور عملِ کامل کے ذریعے فرمائی۔ نماز کے اوقات، نماز کے اجزا، زکوٰۃ کا نصاب، حج کے مناسک سے لے کر آدابِ نشست و برخاست، گفتگو، باہمی معاملات تک زندگی کے ہر گوشے اور پہلو کے بارے میں آپ نے قیامت تک کے لئے ہماری راہیں منور فرما دیں۔

---

(۲) ایسی بعض دوسری آیات کے نمبر ہیں، ۲/۲۳، ۳/۳، ۴/۱۴، ۱۹۶/۷، ۲۵/۱، ۲۳/۶

(۳) سورۃ النساء، آیت ۱۳۶ (۴) یہاں لفظ کتاب واحد استعمال ہوا ہے، اس سے مراد انجیلِ مقدس ہو سکتی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کتبِ سماوی کے لئے ان کے سرچشمے اور تعلیمات کی وحدت کی بنا پر واحد آیا ہو، (کتاب) یہ ان لوگوں کا جواب ہے جو کتبِ سماوی اور قرآن حکیم کے اشتراک کی بنا پر قرآن حکیم پر اعتراض کرتے تھے اور کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کتابوں کا رشتہ ایک ہی سرچشمے سے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآنِ حکیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، مرتبہ عظیم اور اخلاق کے کتنے ہی پہلو اور گوشے سمٹ آئے ہیں۔ ربِ محمد ﷺ کا احسان ہے کہ یہ ہیچ مداں حیاتِ محمدِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآنِ حکیم کے آئینے میں پیش کر چکا ہے۔ مگر وہ عکس عکسِ ناتمام ہے، اور ایسا ہر عکس عکسِ ناتمام ہی رہے گا۔

احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی ذاتِ مبارکہ کے بارے میں فرمایا ہے وہ تکمیلِ فرائضِ رسالت کا ایک حصہ ہے۔ اسمائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اخلاق و شمائلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور فضائل سید المرسلین صلوٰت اللہ وسلام علیہ، مجموعہ ہائے حدیث کے مستقل ابواب ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں اور خیر القرون میں پیدا کیا گیا، اور آپ کا قرن آپ کا قرن ہے اور یہ قرن ہمیشہ ہمیشہ قرنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر تاریخ انسانی کے سر پر درخشاں تاج کی طرح چمکتا رہے گا۔

احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ ﷺ کے وہ فضائل بھی سمٹ آئے ہیں جو آپ کی اُمت کے فضائل کی بنیاد ہیں اور جن سے ہمارا خیر امت ہونا ثابت ہوتا ہے اور قرآنِ حکیم تو حیات و اخلاق و مرتبہ محمدی ﷺ کا آئینہ خانہ ہے۔ ہمہ جہت اور لازوال۔

احادیث میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اسمائے گرامی ہیں اُن میں آپ کے مرتبے کے کتنے ہی گوشے سمٹ آئے ہیں۔

عن جبیر بن مطعم انّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: انا محمد، و انا احمد، و انا الماحی الذی یمحو بی

الکفر، و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی عقبی، وانا العاقب، والعاقب الذی لیس بعده (۵)

حضرت جبر بن مطعم سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، وہ محو کرنے والا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے، اور میں حاشر ہوں اور لوگ یوم حشر میرے قدموں پر اُٹھائے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں، وہ عاقب جس کے بعد کوئی (نبی) نہیں۔

اس حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ کا اسم ذاتی محمد ہے اور وہ نام (احمد) جو بشارت عیسیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور آپ ﷺ کے دوسرے ذاتی نام کے درجے پر فائز ہے، احمد اس حدیث میں ''ماحی''''حاشر''اور''عاقب'' آپ ﷺ کے صفاتی نام ہیں۔ یہ سب آپ کے رتبہ عظیم کے نقش ہیں۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام محمد ہے۔ اس لفظ کا مادہ ''ح م د'' ہے۔ حسن کے انتہائی مکمل نمونے، یا اُس کے آثار کو دیکھ کر جو جذبات ستائش پیدا ہوں ان کے اظہار کو حمد کہتے ہیں۔

محمد کے معنی ہیں وہ ذات جو مسلسل حمد وستائش کی سزاوار ہو۔ احمد کے معنی ہیں جو بہت زیادہ اور مسلسل حمد وستائش کرے۔ احمد اور محمد یہ دونوں نام ایک دوسرے کا ضمیمہ ہیں۔ یہ کائنات اور اہل ایمان ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ستائش میں مصروف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود پاک اللہ تعالیٰ کی حمد میں مصروف تھا۔ محمد کے معانی میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ جس کی بے شمار خصلتیں حمد وستائش کی سزاوار ہوں۔

الذی کثرت خصاله المحموده

(۵) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ۱۷۔ صحیح مسلم/ ج ۴، ص ۵۳۔ رقم ۲۳۵۴

احمد آپ ﷺ کا وہ نام ہے جو بشارت عیسیٰ میں آتا ہے۔ اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ احمد اور محمد ہی صاحب مقامِ محمود ہو سکتا ہے۔ یعنی وہ مقام جو کلیتاً وجہ حمد و ستائش ہو اور جہاں نہ خوف ہو اور نہ حزن۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کفر کو مٹانے کے لئے اس دنیا میں آئے۔ فخر آدم و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کفر اور شرک کی تمام صورتوں اور پہلوؤں کو انسان کے سامنے پیش کیا گیا، شرک جلی و خفی کی ہر صورت آشکار ہو گئی اور آپ نے اپنے پیغام اور ذات سے اس کے تمام پہلوؤں کو مٹا دیا۔ یوں آپ ماحی ہیں، اسی طرح آپ تمام انسانوں سے پہلے یوم حشر سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر تشریف لائیں گے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے مراتب میں یہ رتبہ بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ اپنی اُمت اور اُمم سابقہ پر شاہد ہوں گے۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ حاشر ہیں، آپ وجود اول اور نبی آخر الزماں ہیں، اسی لئے عاقب آپ ﷺ کا ایک نام ہے۔ آپ کے بعد دوسرے پیغمبر ساز فرقے اس بدیہی قرآنی حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ قرآنِ حکیم میں آپ سے پہلے کے انبیا اور اُن کی تعلیمات کا ذکر ہے۔ مگر آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کا کوئی اشارہ نہیں بلکہ واضح طور پر فرما دیا گیا کہ!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (۶)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کے طور پر پسند کر لیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۶) سورۃ المائدہ، آیت ۳

وسلم نے اپنے یہ نام بیان فرمائے!

انا محمد و احمد و المقفی و الحاشر ونبی التوبة و نبی الرحمة (۷)

میں محمد ﷺ ہوں، احمد ﷺ ہوں، مقفی ﷺ ہوں، حاشر ﷺ ہوں، نبی توبہ ہوں اور نبی رحمت ﷺ ہوں۔

مُقفی کا مادہ ق ف و ہے۔ مُقفی کے معانی ہوئے کسی چیز کے پیچھے پیچھے چلنے والا۔

محمد اور احمد کے بعد آپ نے اپنے آپ کو مقفی فرمایا، یعنی یہ بے حد حمد کرنے والا اور خود وجہ ستائش پیہم، اللہ اور اس کے احکام کے پیچھے چلنے والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اطاعتِ رب کی اعلیٰ ترین مثال ہیں۔ اس درجۂ اطاعت پر کوئی نہیں پہنچا۔ ہر نفس حمد اور ہر سانس شکر و اطاعت سے عبارت تھی۔ القفیہ برتری اور بزرگی کو بھی کہتے ہیں۔ یوں المقفی وہ ذات ہوئی جسے اُس کے رب نے برتری عطا فرمائی۔

سید بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی توبہ اور نبی رحمت ﷺ ہونے پر قرآنِ عظیم شاہد ہے اور مسجدِ نبوی الشریف میں استوانہ توبہ آپ ﷺ کے نبی توبہ ہونے کی تاریخی گواہی ہے۔ کسی کے لئے آپ ﷺ کا استغفار فرمانا اُس کی مغفرت اور قبولِ توبہ کے لئے کافی ہے۔

ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نبی توبہ تھے۔ آپ ﷺ کو جنہوں نے دیکھا، جنہیں قربت کی سعادت حاصل ہوئی وہ اُن راستوں سے پلٹ آئے جو گمراہی و ضلالت کے راستے تھے۔ آپ کی رفاقت و ہدایت نے انہیں سعادت و ایمان کی راہوں کا رہبر بنا دیا۔ اپنے راستے سے اُن کا لوٹنا ہی وہ حقیقی توبہ تھی جس نے انہیں انبیائے کرام علیہم السلام کے

---

(۷) صحیح مسلم/ج۴،ص۵۴۔رقم ۲۳۵۵

...بعد سب سے برگزیدہ گروہ انسانیت بنا دیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور آج بھی آپ کی زندہ تعلیمات، روشن اسوہ اور جاوداں الفاظ گناہ گاروں کے لئے باعث توبہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ ذات اور الفاظ آج بھی نشانات راہ ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ ہمارے بُرے اعمال کا خسران آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر لوٹ آنے سے سعادت وتوفیق میں بدل جاتا ہے۔ جب ہم اپنی عملی یا ذہنی گمراہی کو چھوڑ کر سراجِ منیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے پر سفر کرتے ہیں تو ہمارا ہر قدم کم سے کم توفیق الٰہی کی طرف دو قدم بن جاتا ہے۔ ایک قدم وہ جو گمراہی سے دور کرتا ہے، دوسرا قدم وہ جو منزلِ سعادتِ عظمیٰ سے قریب کر دیتا ہے۔ یہ توبہ، ہمارے لئے باز آفرینی کا عمل ہے۔ نبیؐ توبہ کا اتباع ہماری خاکستر کو ہمارے لئے سامانِ وجود بنا دیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت ﷺ ہیں۔ قرانِ حکیم نے آپ ﷺ کو مومنوں کے لئے رؤف ورحیم کہا ہے۔ اللہ کے رؤف ورحیم ہونے میں شرکت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اُس معبود کی صفات، اُس کے اعمال اور اُس کی ذات میں کوئی اُس کا شریک نہیں، لیکن اُس کے اسمائے حسنیٰ انسانی ذات کے کمالات کو ناپنے کا پیمانہ ہیں۔ یہی وہ معیار ہے جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کس حد تک اللہ کے رنگ میں رنگ گیا ہے، اور اللہ کے رنگ سے اچھا رنگ اور کیا ہوگا؟

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (۸)

(کہو) اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور اللہ سے بہتر رنگ اور کس کا ہوگا؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (۹)

---

(۸) البقرۃ آیت ۱۳۸ (۹) یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ عبادت الٰہی کے ذریعے ہی اُس کے رنگ انسان کی زندگی میں چمکتے ہیں۔

رافت اور رحمت ایک ہی صفت کے دو مرحلے ہیں۔ رافت یہ ہے کہ مضر باتوں اور موانع کو دور کیا جائے اور رحمت اسباب راحت کو فراہم کرنا ہے۔ رافت رفعِ بلا ہے اور رحمت عطائے راحت ہے۔ حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا گداز قلب رافت کا سرچشمہ تھا اور آپ ﷺ کے وجود کا استحکام اور وسعتِ قلب رحمت کا منبع۔ آپ ﷺ کی رحمت نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ظاہر و باطن کو انسانیت کے لئے پیمانہ بنا دیا۔ آپ ﷺ کا وجودِ پاک اُن کے لئے نشو ونما کے سامان کی طرح تھا۔ رحمۃ للعالمین کی ذاتِ گرامی مومنوں اور تمام عالموں کے لئے اللہ کا احسان تھی، اور یہ رحمت تمام بلا اُجرت ومزد تھی۔ انبیائے کرام کا اجر تو اُن کے رب کے پاس ہوتا ہے۔

رحمت میں تسلسل کا پہلو بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات نبوت کے ۲۳ سال مسلسل رحمت کا نمونہ ہیں۔ مومن تو آپ ﷺ کے لئے سب کچھ تھے ہی، آپ ﷺ تو کفار کی بھلائی اور ہدایت کی دعاؤں اور تمنا میں اپنی راتیں یوں کاٹ دیتے کہ کائنات کے دل کی دھڑکنوں میں بھی اضطراب پیدا ہو جاتا۔

آپ ﷺ کے دوسرے اسمائے گرامی قرآن کریم کے حوالے سے آئیں گے۔ اب ہم فضائل سید المرسلین صلوٰۃ اللہِ وسلام علیہ کے سلسلے کی چند احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ ان احادیث میں بھی آپ کے اسمائے گرامی آتے ہیں اور اُن کے بارے میں بھی کچھ عرض کیا جائے گا۔ مسلم شریف کی یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: انا سيد ولد آدم يوم القيامة، واول من ينشق عنه القبر، واول شافع و اول مشفع (۱۰)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ

(۱۰) صحیح مسلم/ج ۴،ص ۱۹۔ رقم ۲۲۷۸

علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اولادِ آدم (علیہ السلام)
کا سید و سردار ہوں گا، اور میں پہلا شخص ہوں گا جس سے قبروں کے
شق ہونے کا آغاز ہوگا، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا،
اور میں وہ پہلا ہوں گا جس کی شفاعت قبول ہوگی۔

حضور فخرِ موجودات صلوات اللہ علیہ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ قیامت کے دن میرے متبعین کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی مسلم میں موجود ہے، سید کے لفظ میں بھی یہ مفہوم موجود ہے۔ سید وہ ہے جس کے ساتھ بڑی جماعت ہو اور جو صاحبِ اختیار و اقتدار ہو، اسی لئے یہ لفظ بادشاہ، آقا اور جماعت کے سردار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنی جماعت کی کثرت کی وجہ سے سید نہیں ہیں بلکہ آپ کی ذات تو خیر و سعادت اور جلالت و سیادت کا منبع ہے۔ اور انہیں عناصر سے آپ کا خمیر گوندھا گیا۔ پھر ''سید ولد آدم'' میں تمام زمانوں کے انسان سمٹ آئے ہیں، اور ہر دور کے انسانوں کا سردار وہی ہو سکتا ہے جو وجہِ تخلیقِ عالم ہو۔

اس حدیث کے اس ٹکڑے پر غور فرمایئے کہ میں پہلا شخص ہوں گا جس سے قبروں کے شق ہونے کا آغاز ہوگا۔

اس کے معانی یہ ہوئے کہ قیامت، حشر اور پھر ابدی زندگی کا آغاز اُس ''وجودِ اول'' سے ہوگا جو اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے، یعنی اُن کی تخلیقِ جسمانی نہیں ہوئی تھی۔

وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال، قالوا یا رسول الله متی وجبت لک النبوة؟ قال و آدم بین الروح والجسد(۱۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا

---

(۱۱) ترمذی/ ج۵، ص۳۵۱۔ رقم ۳۶۲۹۔

گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے لئے نبوت کب واجب
(ثابت) ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم روح اور جسم
کے درمیان تھے۔

اب ہم مسئلہ شفاعت کی طرف آتے ہیں، جس کے بارے میں بعض حضرات نے جو کچھ فرمایا ہے وہ مرتبۂ نبوت کے منافی ہے اور مرتبۂ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبری کا اظہار ہے۔ حضرت ختم الرسل نے اپنے آپ کو پہلا شافع فرمایا اور پہلا مشفع یعنی جس کی شفاعت مقبول ہوگی۔ آج کے عہد میں بہت سے صاحبان نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے انکار کرتے ہیں۔ اُن کا فرمانا ہے کہ یوم الدین صرف اللہ کی حکمرانی کا دن ہے اور اُس دن کوئی نفس کسی نفس کے لئے کچھ نہ کر سکے گا۔ وہ دن اللہ واحد وقہار کا ہوگا آخر یہ تو فرمائیں کہ کون سا دن اللہ واحد وقہار کا نہیں ہے؟ کس دن اُس کی حکمرانی نہیں ہے؟ کس دن اُس کے حکم کے بغیر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ انبیاءؑ اور ملائکہؑ کب اُس کے اذن کے بغیر کچھ کر سکتے ہیں، آیت الکرسی کے چھ لفظ ساری حقیقت کا احاطہ کر لیتے ہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۱۲)

کون ہے جو اُس کی بارگاہِ عالیہ میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش
کر سکے؟

کفار و مشرکین عرب اپنے دیوی دیوتاؤں اور فرشتوں کو خالقِ اکبر اور رب الارباب کے حضور اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ ویسے ایک بلند تر ہستی کا تصور اُن کے ہاں موجود تھا، لیکن وہ بتوں اور فرشتوں کو اُس کے حضور اپنا شفیع سمجھتے تھے، بلکہ یہ یقین رکھتے تھے کہ ان بتوں کی مرضی اُس کی مرضی ہے۔ یہ شرک آج بہت سے مسلمانوں میں بھی

(۱۲) سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۵

موجود ہے، جو اپنے پیر، اپنے مرشد، ماضی کی کسی عظیم ہستی اور ولی کی شفاعت کے یوں قائل ہیں کہ معاذ اللہ، خدائے برتر کہیں درمیان میں نہیں آتا۔ قرآن کریم اس مشرکانہ تصور کی جڑ کاٹتا ہے۔ اللہ کے حضور اُس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ شفاعتِ محمدی ﷺ کا نکتہ بے غبار انداز میں سامنے آ جاتا ہے۔ اللہ شفاعت کا یہ مقام اور کسے عطا فرمائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ کے طفیل، اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم، اُن کی اُمت کے اولیا کو شفاعتِ صغریٰ کی منزلت عطا کی جائے گی۔ جب کم سن بچوں کی موت ماں باپ کے لئے شفاعت بن سکتی ہے، جب آدمی کے اپنے اچھے اعمال شفاعت کا درجہ رکھتے ہیں۔ (۱۳) تو نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں یہ شک کیسا کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفاعت کبریٰ کے منصب سے نہیں نوازے گا۔ اس سلسلہ کی مفصل احادیث آگے پیش کی جائیں گی۔ رہی بات اِذن کی تو ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ ''انبیا اور ملائک کب اس کے اذن کے بغیر کچھ کر سکتے ہیں'' تمام انبیا اور رسول ﷺ اپنے اللہ کے حکم ہی سے انسانوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔

وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ (۱۴)

اور (رسول) اللہ کی اجازت ہی سے اُس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ ہے۔

آیت الکرسی سے پہلے اسی سورت سورۂ البقرہ میں فرمایا گیا ہے!

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ (۱۵)

اُس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے ذرہ برابر کام نہ آئے گا، کسی

---

(۱۳) ملاحظہ ہو حدیثِ غار (۱۴) سورۂ الاحزاب آیت ۴۶ (۱۵) سورۂ البقرہ، آیت ۱۲۳

سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، اور کوئی سفارش فائدہ نہ دے گی اور
مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔

یہ آیت شفاعتِ محمدی ﷺ کے تصور سے نہیں ٹکراتی۔ آیت ۱۲۲ میں بنی اسرائیل سے تخاطب ہے اور اُنہیں کے جرائم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اُن سے کہا گیا ہے کہ میں نے تم کو عالمین پر فضیلت دی تھی۔ بنی اسرائیل نے اس کے باوجود انبیا کو ناحق قتل کیا، اللہ کے احکام اور حدود کو بار بار ٹھکرایا۔ یہ وہ جرائم ہیں جن کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا۔ شرک اور قتلِ ناحق جیسے جرائم کے مرتکب شفاعت کے حق دار نہیں ہوں گے۔

قرآن حکیم نے کئی مقامات پر ان جرائم کی نشان دہی کی ہے جو مجرم کو شفاعت سے محروم کر دیتے ہیں، مثلاً سورۃ النساء کی آیات ۱۷۲ اور ۱۷۳۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کے حضور اکڑ دکھائیں، بندگی سے گریز کریں اور تکبر کو اختیار کریں، وہ اپنے آپ کو شفاعت کے دائرے سے باہر نکال دیتے ہیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝ (۱۶)

اور جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور (اللہ کے مقابل) تکبر کیا ہے
اُن کو اللہ عذاب الیم دے گا، اور اللہ کے علاوہ وہ اپنے ولیوں اور
مددگاروں کو (جن پر اُن کا تکیہ تھا) وہاں موجود نہ پائیں گے۔

قرآن حکیم کے یہ اور ایسے دوسرے مقامات سرورِ کائنات، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی تصدیق ہی کرتے ہیں، کیونکہ ان جرائم کی تباہی اور تباہ کاری کو آپ نے بار بار پیش فرمایا اور اس انتباہ کے ساتھ کہ ایسے لوگوں پر جنت حرام ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اپنی اُمت اور امم سابقہ کے اُن گنہگاروں کے

(۱۶) سورۃ النساء، آیت ۱۷۳

لے ہوگی، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے منہ نہ موڑا، گناہوں کے مرتکب ہوئے مگر ات وصفاتِ رب العزت کے قائل رہے اور اس باب میں شرک نہ کیا۔

اس نکتے کو نہ سمجھنے والوں نے شفاعت کے عقیدے کو دین کی عمارت کا ’’انہدام‘‘ قرار دیا ہے اور الا باذنہ کو مطلقاً نظر انداز کر دیا۔ یہ حضرات اُن حدیثوں کے ھی منکر ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لئے قیامت کے دن اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے، اور اللہ اُن کی شفاعت کو قبول فرمالے گا۔ یہ حضرات ’’قانونِ مکافاتِ عمل‘‘ کی اپنی توجیہہ اور تعبیر کو معاذ اللہ، رب العزت کے اختیارات سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

دنیا کے ہر قانون میں جرائم کی سزائیں مقرر ہوتی ہیں مگر ایک ہی جرم کے احوال وکوائف کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے اور استثنٰی کی شکلیں بھی موجود ہوتی ہیں، مثلاً قتل حرام ہے مگر ناحق، ویسے قصاص آئینِ اسلام کا حصہ ہے۔ اسی طرح مرتد اور شاتمِ رسول ﷺ کی سزا قتل ہے۔ پھر اسی دنیا کے آئین ودساتیر میں صدر یا کسی اور مجاز ادارے کو موت کی سزا کو معاف کر دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت، مغفرت، اُس کے قانونِ مکافاتِ عمل کے سلسلے میں معطل ہو جاتی ہیں اور پھر عمل کے سلسلے میں نیت کا تعین کون کرے گا؟ اس پہلو پر بھی غور فرمایئے کہ جس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے اللہ کا قانون، اُس کی کتاب اور اُس پر عمل کرنے کے طریقے ہمیں عطا کیے گئے، کیا امتیوں کے حق میں اُس کی شفاعت اس دنیا میں اور آنے والی دنیا میں قبول نہ ہوگی؟ رسول الرحمۃ ﷺ کی شفاعت تو اس آیت قرآنی میں بھی شفاعت کے لفظ کے بغیر موجود ہے۔ تمام رسول اور خاص طور پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے دنیا میں تشریف لائے کہ اللہ کے اذن سے اُن کی اطاعت کی جائے اور اس اطاعت کی جزا اُن کی سفارش اور شفاعت پر گناہوں اور سزا سے معافی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ
اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (۱۷)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اس لئے کہ اللہ کے اذن سے اُس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو وہ آپ ﷺ کے پاس آ جاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی اُن کے لئے استغفار (اور معافی کی درخواست) کرتا تو وہ یقیناً اللہ کو تواب اور رحم کرنے والا پاتے۔

یہاں ہمیں ہادیٔ نوعِ بشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ کے سلسلے میں کچھ اور عرض کرنا ہے، اور شفاعت کے باب میں ایک مفصل حدیث پیش کرنی ہے۔ شفاعت سے متعلق اتنی احادیث موجود ہیں جو تواتر کے درجے تک پہنچ جاتی ہیں، اور اُن پر یقین رکھنا ایمانیات کے دائرے میں آ جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت شفاعتِ کبریٰ کے لئے لب کشائی فرمائیں گے جب حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ عیسیٰؑ تک تمام انبیائے عظام علیہم السلام اپنے آپ میں گم اور ''نفسی نفسی'' کے تجربے سے گزر رہے ہوں گے۔ حضرتِ آدم علیہ السلام کو شجرِ ممنوعہ یاد آ رہا ہوگا اور حضرتِ موسیٰ قبطی کے قتل کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار شفاعت (سفارش) فرمائیں گے، پھر دوسرے انبیاً کو شفاعت کا اذن عطا ہوگا، پھر اُمت مسلمہ کے صالحین اور شہدا شفاعت کریں گے اور اُن کے مرتبوں کو بلند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ یہ سفارش قبول فرمائیں گے۔ ان شفاعتوں کی قبولیت بھی دراصل سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے علوئے رتبہ کا اظہار ہوگا۔ اب ہم شفاعت سے متعلق ایک مفصل

(۱۷) سورۃ النساء، آیت ۶۴

حدیث کے بعد دوسرے پہلوؤں کی طرف توجہ دیں گے، ورنہ شفاعتِ محمدی ﷺ خود ایک کتاب کا موضوع ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال حدثنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذکان یوم القیمة ماج الناس بعضھم الیٰ بعض فیاتون آدم فیقولون لہ اشفع لذریتک فیقول، لست لھا، ولکن علیکم بابراھیم علیہ السلام فانہ خلیل اللّٰہ، فیاتون ابراھیم فیقول لست لھا ولکن علیکم بموسیٰ علیہ السلام فانہ کلیم اللّٰہ، فیؤتیٰ موسیٰ فیقول لست لھا، ولکن علیکم بعیسیٰ علیہ السلام فانہ روح اللّٰہ و کلمتہٗ، فیؤتیٰ عیسیٰ فیقول لست لھا ولکن علیکم بمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاوتیٰ فاقول، انالھا فانطلق فاستاذن علیٰ ربی، فیؤذن لی، فاقوم بین یدیہ فاحمدہ بمحامد لا اقدر علیہ الاٰن، یلھمنیہ اللّٰہ ثم اخرلہ ساجداً، فیقال لی یا محمد ارفع راسک وقل یسمع لک و سل تعطہ واشفع، تشفع، فاقول رب اُمتی اُمتی، فیقال انطلق فمن کان فی قلبہ مثقال حبة من برة او شعیرة من ایمانٍ فاخرجہ منھا، فانطلق فافعل ثم ارجع الی ربی فاحمدہ بتلک المحامد ثم اخرلہ ساجداً، فیقال لی یا محمد ارفع راسک وقل تسمع لک و سل تعطہ و اشفع تشفع،

فاقول اُمتی اُمتی فیقال لی انطلق فمن کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمانٍ فاخرجه فانطلق فافعل ثم اعود الی ربی فاحمده بتلک المحامد ثم اخرله ساجداً، فیقال یا محمد ارفع راسک وقل یسمع لک و سل تعطه و اشفع تشفع، فاقول یا رب اُمتی اُمتی فیقال لی انطلق فمن کان فی قلبه ادنی ادنی ادنی من مثقال حبة من خردل من ایمان فاخرجه من النار مانطلق فافعل، ثم ارجع الی ربی فی الرابعة فاحمده بتلک المحامد ثم آخرله ساجدا، فیقال لی یا محمد ارفع راسک وقل یسمع لک و سل تعطه واشفع تشفع، فاقول یا رب ائذن لی فیمن قال، لا اله الا اللّٰه، قال لیس ذاک لک ولکن، وعزتی، وکبریائی و عظمتی وجبریائی، لاخرجن من قال لا اله الا اللّٰه (١٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا (اور اگلے پچھلے سب میدانِ حشر میں جمع ہوں گے) تو لوگوں میں بے انتہا اضطراب ہوگا اور ازدحام ہی ازدحام ہوگا۔ پس یہ لوگ (یا ان کے نمائندے) حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اپنے رب سے ہماری شفاعت (سفارش) کر دیجئے (کہ ہمیں اس

(١٨) صحیح مسلم/ج ا ص ١٥٦۔ رقم ١٩٣۔ صحیح بخاری کتاب التوحید، باب ٣٦۔ بیہقی السنن الکبری/ ج ٦ ص ٣٣٠۔ رقم ١١١٣١

اضطراب سے نجات ملے)۔ حضرتِ آدمؑ فرمائیں گے کہ یہ میرا (اور میرے بس کا) کام نہیں ۔تم لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ پس یہ لوگ (سوالِ شفاعت لے کر) حضرتِ ابراہیمؑ کے پاس حاضر ہوں گے۔ وہ فرمائیں گے یہ کام میرے بس میں نہیں ۔تم موسیٰ کے پاس جاؤ کہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ وہ (اپنی عرض لے کر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ کارِ شفاعت میرے اختیار سے باہر ہے، تم حضرتِ عیسیٰ کے پاس جاؤ کہ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ یہ لوگ (درخواستِ شفاعت کے ساتھ) حضرتِ عیسیٰؑ کے پاس جائیں گے۔ وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میرا یہ مرتبہ اور کام نہیں ۔تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں جاؤ۔

پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے (اور درخواستِ شفاعت کریں گے) اور میں کہوں گا کہ ہاں یہ میرا کام ہے۔ پس میں اپنے رب کے پاس حاضری کی اجازت طلب کروں گا اور مجھے اجازت عطا کی جائے گی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ خصوصی حمد یہ کلمات میری طرف الہام فرمائیں گے۔جن سے میں اس وقت واقف نہیں۔ میں اُس وقت انہیں الہامی محامد (وکلماتِ ثنا) کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا اور اُس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ اور جو کچھ کہنا ہے کہو، تمہاری سنی جائے گی، اور جو کچھ مانگنا ہے مانگو، عطا کیا جائے گا اور جو شفاعت کرنا چاہو کرو تمہاری سفارش مانی جائے گی۔ میں سجدے سے سر اٹھا کر کہوں گا کہ اے میرے رب ''اُمتی اُمتی'' (میری

اُمت، میری اُمت۔ اِسے بخش دیجئے) پس مجھ سے فرمایا جائے گا کہ جاؤ اور جس کے دل میں گندم یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اُس کو نکال لو۔ پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔

پھر میں (بارگاہِ رب العزت کی طرف) لوٹوں گا اور انہیں الہامی کلماتِ حمد سے اُس کی ثنا کروں گا اور اُس کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ اے محمد ﷺ! سر اُٹھاؤ، جو کچھ کہنا ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی، اور جو کچھ مانگنا ہو مانگو تمہیں دیا جائے گا اور جو سفارش کرنی ہو کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ میں (پھر) عرض کروں گا کہ اے میرے رب! اُمتی اُمتی تو فرمایا جائے گا کہ جاؤ اور جن کے دلوں میں ایک ذرے کے برابر (یا رائی کے دانے کے برابر) بھی ایمان ہو اُن کو بھی (اضطراب و عذاب سے) نکال لو۔ میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔

پھر میں رب کی طرف لوٹوں گا اور انہیں الہامی کلماتِ حمد و ثنا کے ذریعے اپنے رب کی ثنا کروں گا اور اُس کے حضور سجدہ ریز ہوں گا۔ پھر مجھ سے ارشاد ہو گا کہ اے محمد ﷺ! اپنا سر اُٹھاؤ، جو کچھ کہنا ہو کہو سنا جائے گا، اور جو مانگنا ہو مانگو، عطا کیا جائے گا اور جو سفارش کرنی ہو کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ میں (سجدے سے سر بلند کر کے) کہوں گا اے میرے رب! اُمتی اُمتی، مجھ سے ارشاد ہو گا کہ جاؤ اور جن کے دلوں میں ایک ذرے (یا رائی کے دانے) سے بھی کم ایمان ہو اُن کو بھی نکال لو۔

(اس ارشادِ ربانی کے بعد) میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔ اُس

کے بعد چوتھی بار اپنے رب کے حضور لوٹ کر آؤں گا اور اُس کے عطا کردہ الہامی کلماتِ حمد کے ذریعے اُس کی حمد ادا کروں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا۔ اور مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے محمد ﷺ! اپنا سر سجدے سے اٹھاؤ اور جو کچھ کہنا ہے کہو تمہاری سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا اور جو سفارش کرنا ہو کرو قبول کی جائے گی۔ پس میں عرض کروں گا کہ اے میرے رب! مجھے اُن سب کے حق میں شفاعت کی اجازت دیجئے جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ (اے محمد ﷺ) یہ تمہارا کام نہیں، لیکن مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم، اپنی کبریائی اور عظمت کی قسم کہ میں اُن سب کو جہنم سے نکال دوں گا (نجات دیدوں گا) جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔

اس مفصل حدیث شفاعت کا مطالعہ کرتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے فردائے قیامت امروز کے قالب میں ڈھل گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا منظر ہمارے سامنے مجسم ہو کر آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات مقدر فرما دی ہے کہ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس بات پر بھی غور فرمایئے کہ اس شفاعت کے لئے آپ کو حمد و دعا کے کلمات بارگاہِ ربانی سے عطا فرمائے جائیں گے۔ پھر آپ ﷺ سجدہ ریز ہوں گے۔ ''عبدیت'' کی علامت سجدہ ہے اور عبدیت بلند ترین مقام ہے۔ مسندِ احمد کی روایت کے مطابق (کم سے کم) بارگاہِ خاص میں شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا سجدہ ایک ہفتے کا ہوگا۔ یومِ حشر کے میزانِ وقت کے مطابق ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی پیمائش کیا ہوگی، ایام اللہ میں تو ایک ایک دن ہزار ہزار سال یا پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

اسی سے اپنی اُمت اور انبیائے سابقین کی امتوں کے لئے کائنات کے شفیق

ترین انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفقت کا اندازہ کیجئے۔ اور آپ ﷺ کی ذاتِ عالیہ سے وابستگی کا تقاضا ہے کہ اپنی عبدیت کے اظہار اور اُس کو ترقی دینے کے لئے ہم بھی اس دنیا میں سجدے کو اپنالیں، بلکہ سجدے کو اپنی زندگی کی شناخت بنالیں۔ سجدہ ہے کیا؟ اپنے وجود کو رب العزت کے سامنے جھکا دینا۔ ہماری جسمانی حرکات ہماری شخصیت، احساسات اور جذبات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ بزرگوں کی دست بوسی، بچوں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنا یا ماتھے پر بوسہ دینا، اپنے دوستوں سے معانقہ۔ ان سب جسمانی اعمال وحرکات میں ہمارے فکر اور جذبے کی دینا آباد ہے۔ سجدہ بندگی کی معراج ہے۔ ہمارے آقا، ہمارے سردار اور ہمارے شفیع کو ''اُمتی اُمتی'' کہتے ہوئے اُس وقت کتنا فخر محسوس ہوگا جب یہ امت ساجدین کی امت ہوگی، ورنہ آپ ﷺ کی شفاعت تو ہر لا الہ الا اللہ کہنے والے کو آخر الامر جہنم سے نجات عطا کردے گی۔ سجدہ نہ کرنا سرکشی کی علامت ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے اور قیامت کے دن سرورِ کائنات، صاحب کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رسوا نہ کرے۔

یہ بات حدیثِ مبارکہ کے آخری ٹکڑے سے بھی واضح ہو جاتی ہے جب آپ ﷺ نے صرف لا الہ الا اللہ کہنے والوں کے حق میں شفاعت کی اجازت طلب کی اور مالکِ روزِ جزا جلالہ، نے فرمایا کہ!

لیس ذالک لک

یہ تمہارا کام نہیں

لیکن پھر اپنی عظمت وکبریائی اور عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا!

میں سب لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو جہنم سے نکال دوں گا۔

اس سے لطیف نکتہ اور پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

درخواست پر یہ بات فرمائی اور آپ کی محبت کا نہ ذکر کیا، نہ قسم کھائی۔ محبت کی اس سے بلند منزل اور کون سی ہوگی جب دوست، دوست کی تمنا کو اس پر احسان رکھے بغیر پورا کر دے اور دوست بھی وہ جسے اُس کے بھیجنے والے نے مومنوں پر اپنا احسان قرار دیا ہو۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۹)

یہ نکتہ بھی اُبھرتا ہے کہ اگر ایمان کے ساتھ جو کے برابر یا رائی کے دانے کے برابر یا اُس سے بھی کم معمولی سا معمولی عمل بھی مسلمان نے کیا ہو تو اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی، لیکن توحید و رسالت کو عقیدتاً تسلیم کرنے والے جس شخص کی زندگی میں کسی حکم کی بجا آوری، کسی عبادت کی کوئی مثال نہ ہوگی اُس کی شفاعت اللہ نے اپنے دوست کی خاطر اپنے ذمے لی ہے۔

اس حدیث میں صرف لا الہ الا اللہ کہا گیا ہے۔ اسے کلام کو سیاق و سباق سے الگ کر دینے والے ''شارح'' عجب معانی دیتے ہیں، یعنی توحید پر ایمان نجات اور شفاعت کے لئے کافی ہے۔ لوگ اپنے آپ کو اور دوسروں کو کیسے کیسے دھوکے دیتے ہیں۔ کیا اُمتی اُمتی کی تکرار مسلسل میں ''محمد رسول اللہ'' موجود نہیں ہے؟

مسئلہ شفاعت پر اس گفتگو کے بعد آگے بڑھنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت، رحمت اور رافت کا تقاضا ہے کہ آپ کی شفاعت ہمیں معاذ اللہ گناہوں پر جری نہ بنا دے۔ آپ تو انسان کی قبائے ذات کو، اپنے رب کی صفات کے رنگوں سے رنگنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ آپ کی تعلیمات کا مقصد ہی زمین کو توازن، اعتدال، امن و امان، نور اور عدل کا گہوارہ بنا دینا تھا اور جو فساد بر و بحر پر پھیل گیا تھا اس سے نجات دلانا تھا۔ اسی لئے مسلمانوں کو بہترین امت قرار دیا گیا کہ آپ کے بعد بھی علما و اولیا کے ذریعے کارِ ہدایت جاری رہے، امر بالمعروف اور نہی

(۱۹) سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۴

عن المنکر کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفیع روزِ محشر ہی نہیں بلکہ جنت کا دروازہ آپ ہی کے حکم اور ارشاد سے کھولا جائے گا۔ اب ترتیب زمانی میں ایک سے زیادہ امکانات ہو سکتے ہیں۔ پہلا امکان جو حدیث کے الفاظ سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ جنت سب سے پہلے آپ کے لئے کھولی جائے گی!

لا افتح لا حد قبلک

جس وقت آپ ﷺ جنت کے دروازے پر تشریف لے جائیں گے تو آپ کو پہچاننے کے بعد خازنِ جنت عرض کرے گا کہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہ کھولوں۔

یوں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے جنت اہلِ ایمان کے لئے حقیقی معنوں میں جنت بن جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت ہی اہل ایمان کے لئے جنت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی باب الجنة یوم القیمة فاستفح فیقول الخازن من انت؟ فاقول "محمد" فیقول "بک اُمرت ان لا افتح لا حد قبلک" (۲۰)

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اُس کو کھلواؤں گا۔ خازنِ جنت کہے گا۔ "آپ ﷺ کون ہیں؟" میں جواب دوں گا "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اس پر

(۲۰) احمد/ ج ۳، ص ۱۳۶۔ رقم ۱۲۴۲۰

خازن کہے گا کہ ''مجھے حکم دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ سے پہلے جنت کا
دروازہ کسی اور کے لئے نہ کھولوں۔

عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اُس نے اپنے کرم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عالم غیب کو عالم شہود بنا دیا، فاصلے کی طنابیں کھینچ کر زمین کے مشارق و مغارب کو آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے یک جا اور متشکل فرما دیا اور ماضی و حال و مستقبل کو بے نقاب کر دیا۔ شفاعت اور قیامت سے متعلق احادیث آپ نے پڑھیں۔ سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا جاوداں معجزہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو بھی اپنے الفاظ کے آئینے میں مستقبل اور آخرت کی دید کرا دی۔ اب حضرتِ ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث پیش خدمت ہے۔ جس میں مسلمانوں کی سلطنت کی وسعت کی پیش بینی ہے، اور آپ ﷺ کے بعد پندرہ بیس سال میں دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین کو کس طرح سمیٹ لیا تھا اور کس طرح آپ کے نقش قدم ایک عظیم سلطنت کا حدودِ اربعہ بن گئے، کس طرح دنیا کے خزانے اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف سلاماً) کے قبضے میں دیدیئے گئے۔ اور یہ چودہ صدیاں اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ یہ اُمت قحط عام میں کبھی مبتلا نہیں ہوئی اور اس کو مجموعی طور پر کسی دشمن نے مغلوب اور مفتوح نہیں بنایا۔ ہر دور میں کہیں نہ کہیں اسلام کا پرچم سربلند رہا اور حرمین مسلسل مسلمانوں کے آزاد مرکز رہے ہیں، ہاں مسلمان ہی اپنا دشمن رہا، جیسا کہ اُس حدیث میں فرمایا گیا جو ہم پیش کرنے جا رہے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان کس طرح مسلمان کو قتل کر رہا ہے۔ کراچی کے گلی کوچے اپنی گہرائیوں تک اس خون سے سرخ ہو گئے ہیں۔ مسلمان نے مسلمان کو کس طرح قتل کیا اور کس طرح قتل کر رہا ہے۔ عراق، کویت، ایران اور افغانستان کی زمین، دریاؤں اور فضاؤں سے پوچھئے۔

حضرت ثوبان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تعالی نے زمین کو میرے لئے سمیٹا، پس میں نے اُس کے مشرقوں اور مغربوں (مشارق و مغارب) کو دیکھ لیا۔ اور میری اُمت کی حکومت اور بادشاہت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک زمین میرے لئے سمیٹی گئی ہے۔ مجھے دو خزانے سرخ و سفید عطا کیے گئے۔

اور میں نے اپنے رب سے اپنی اُمت کے لئے سوال کیا کہ اُسے عام قحط میں ہلاک نہ کیا جائے اور اُن پر کوئی ایسا غیر مسلم دشمن مسلط نہ کیا جائے جو اُن کی جائے اجتماع (اور مقامِ مرکزیت) کو اُن سے لے لے۔

اور میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ اے محمد ﷺ کہ جب میں کوئی فیصلہ کر لیتا ہوں تو اُسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور میں نے آپ کی اُمت کے سلسلے میں آپ کو یہ بات عطا کر دی کہ قحط عام سے اُسے ہلاک نہیں کروں گا، اور اُن پر اُن کے سوا اُن کے مرکز پر کسی دشمن کو مسلط نہیں کروں گا، چاہے ساری دنیا کے لوگ اُن کے خلاف جمع ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ خود ایک دوسرے کو قتل اور قید کریں گے۔

ایشیا، یورپ، افریقہ کے بڑے حصے پر مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ مسلمانوں کے علاقوں کو وقتی طور پر کفار نے فتح بھی کر لیا، مگر اُن کے مرکز اور مرکزیت کی علامت کعبہ تک دشمن کے قدم کبھی نہ پہنچ سکے۔ اسی طرح قحط نے بلادِ اسلامیہ پر یوں یلغار نہیں کی کہ امتِ مسلمہ ہلاک ہو جاتی۔ ہاں مسلمان ایک دوسرے کے خون سے اپنے دامن کو آلودہ کرتے آئے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر ہمارے دور

کی افغان خانہ جنگی تک۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا یہ باب اتنا وسیع اور اتنا متنوع ہے کہ صرف احادیث معتبر کی روشنی میں آپ کے درجۂ رفیع اور مرتبہ بلند پر کئی جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں۔ ہم اس باب کو سمیٹتے ہوئے چند اور پہلوؤں کو پیش کریں گے اور پھر اپنی نظر اور فہم کے مطابق کلام اللہ میں حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے سے متعلق آیات کو مرتب کریں گے۔ بات یہ ہے کہ کلام اللہ کی ہر آیت کے ہر پہلو تک رسائی توفیق الٰہی کے مطابق ہی ہوسکتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تکمیل فرمائی۔ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کے اولین داعی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور پھر مختلف اقوام کے لئے مختلف زمینوں اور زمانوں میں یہ دین مختلف انبیائے کرامؑ کے ذریعہ بھیجا گیا یہاں تک کہ فردائے قیامت تک کے سارے انسانوں کے واسطے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کو مکمل کیا گیا اور دائمی شکل دے دی گئی۔ اس کے خدوخال قرآنِ حکیم میں محفوظ کردیے گئے، اور اس کی عملی شکل اور تفصیلات کا نام سنت اور اسوۂ حسنہ قرار پایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲۱)

تمہارے لئے رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اعمال واقوال وحیات میں اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے۔

یہ بات صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے نہیں فرمائی گئی بلکہ اس کے مخاطب قیامت تک کے تمام اہل ایمان ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں پر اللہ کی حجت آخر ہیں!

---

(۲۱) سورۂ الاحزاب، آیت ۲۱

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ (۲۲)

دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے (اور اس سلسلے میں) اہل کتاب نے جو اختلاف کیا اور ایسی حالت کے بعد کہ اُن تک علم اور دلیل پہنچ چکی تھی، مگر ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا (تو یاد رکھے) کہ بیشک اللہ سریع الحساب ہے (اور بہت جلد حساب لینے والا ہے)

یوں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین کے حتمی مفہوم کو پیش کیا گیا۔ اسلام کے خدوخال اُجاگر کیے گئے۔ اہلِ کتاب کے اختلاف کے اسباب اور نوعیت واضح طور پر سامنے آ گئی کہ یہ اختلاف محض ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے ہیں اور یوں کفر اور اسلام کے درمیان کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا۔ اعمال کی کوتاہیاں اپنی جگہ، لیکن اب دائمی ٹھکانے کا انحصار ایمان اور کفر پر رہ گیا۔ شفیع المذنبین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی شفاعت کے بارے میں واضح طور پر فرما دیا۔

وھی لمن مات لا یشرک با للہ شیاً (۲۳)

اور میری شفاعت اُن لوگوں کے لئے ہوگی (جو میری دعوتِ ایمان وتوحید کو قبول کر کے) اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

شفاعت کے بارے میں جو احادیث آپ نے ملاحظہ کیں اُن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شفاعت اُس تعلق کی بنا پر ہوگی جو گنہگاروں کا رسول عربی صلی اللہ علیہ

(۲۲) سورۂ آل عمران، آیت ۱۹ (۲۳) ترمذی/ ج ۴، ص ۱۹۹۔ رقم ۲۴۴۹

وسلم سے ہوگا، یعنی وہ اُمت محمدیہ کے افراد ہوں گے۔

شفاعت کے سلسلے میں اوراق گزشتہ میں یہ بات پیش کی جا چکی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا سلسلہ اتنا وسیع اور مستحکم ہے کہ یہ سلسلہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام تک محدود نہیں بلکہ علما و شہدائے اُمت محمدی ﷺ تک پھیلا ہوا ہے۔ اہل ایمان کے معصوم بچے اور اُن کے اپنے اعمال اُن کی شفاعت کریں گے۔ یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

عن عثمان بن عفان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم یشفع یوم القیمة ثلاثة . الانبیاءُ ثم العلماءُ ثم الشهداءُ (۴۴)

حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین گروہ (خاص طور پر) شفاعت کریں گے۔ انبیاء علیہم السلام، پھر علماء، پھر شہدا۔

انبیا، علما، اور شہدا کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ انبیائے کرام تو اپنی امتوں کے ہادی اور نگراں تھے۔ علما نے علم دین لوگوں تک پہنچایا اور شہیدوں نے اپنی جان کی قیمت پر دین کے حقائق کی صداقت پر گواہی دی۔ ظاہر ہے کہ امتوں کے صالحین اور متقین کو بھی درجہ شفاعت ان شاء اللہ حاصل ہوگا۔

شفاعت کا رشتہ یوم آخرت سے ہے۔ قیامت کے دن اس شفاعت کے مناظر کہاں کہاں نظر آئیں گے۔ حوض کوثر پر شفیع المذنبین کے دست مبارک سے اُن کے امتیوں کو وہ جام عطا ہوگا جس کے بعد کوئی پیاس نہیں لگے گی۔ اور ان کے جھنڈے تلے روز حشر کے سورج کی کرنیں نرم روشنی میں بدل جائیں گی۔ یہ بات بھی سامنے آچکی ہے کہ

(۴۴) ابن ماجہ/ ج ۴، ص ۳۵۷۔ رقم ۴۳۱۳۔ شعب الایمان/ ج ۲، ص ۲۶۵۔ رقم ۱۷۰۷

دوسرے انبیائے کرام کے امتیوں کے حق میں بھی آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے، کیونکہ انبیائے فلک مرتبت اپنے امتیوں کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نبوت کی عمارت آپ ہی کی ذات سے مکمل کی گئی۔ نبوت کا محل مکمل تھا، مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی اور یہ عظیم محل کس قدر ادھورا معلوم ہوتا تھا جہاں حد درجہ تکمیل ہو وہاں ادنیٰ سی کمی بھی کیسے اُبھر آتی ہے۔

وعن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال : ان مثلي و مثل الانبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فاحسنه واجمله، الا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له، ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة ؟ قال فانا اللبنة، وانا خاتم النبيين (۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور ان انبیا کی مثال جو مجھ سے قبل گزرے اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر نہایت اعلیٰ طور پر تعمیر کیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اُس کے گرد گھوم کر اُسے (تحسین کے ساتھ) دیکھتے ہیں اور اُس کی عمدہ تعمیر سے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں لیکن ایک اینٹ کی کمی (شدت سے) محسوس کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! وہ اینٹ میں ہوں، اور میرے ساتھ نبیوں کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

سلسلۂ نبوت کا اختتام اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں کے لئے اللہ کا پیغام مکمل ہوگیا، اور قیامت تک کے لئے انسانیت کو کسی نئی ہدایت کی ضرورت نہیں۔ اب

(۴۵) صحیح بخاری/ ج ۳، ص ۱۳۰۰، رقم ۳۳۴۲۔ مسلم/ ج ۴، ص ۲۵، رقم ۲۲۸۶

انسان قرآنی تعلیمات کی حدود میں رہ کر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نئے رنگ بھر سکے گا، ہر عہد کے تقاضوں اور چیلنجوں کا سامنا کر سکے گا۔ قرآنی حدود کا احترام تو لازم ہے، اسی طرح اسوۂ حسنہ بھی اُس کے لئے ایک حد ہے اور پھر اسے مکمل آزادی حاصل ہے۔ آزادی اور حدود کا یہ امتزاج انسان کی فطرت اور خلقت کے عین مطابق ہے۔

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وحدتِ آدم کی دلیل بھی ہے اور اعلان بھی ہے۔ آپ سے پہلے تمام انبیا کسی ایک قوم یا خطۂ زمین اور کسی ایک عہد کے لئے مبعوث فرمائے گئے، لیکن آپ سارے انسانوں کے لئے، ساری دنیا کے لئے اور اپنے عہد کے علاوہ ہر آنے والے زمانے کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔

وعن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اعطیت خمسا لم یعطھن احدقبلی، نصرت بالرعب میسرۃ شھر، وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا، فایما رجل من اُمتی ادرکتہ صلاۃ فلیصل، و احلت لی الغنائم ولم تحل لا حد قبلی، واعطت الشفاعۃ، وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عآمۃ (۲۶)

اور (حضرت) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں (اور فضیلتیں) عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ ایک مہینے کی

(۲۶) مسلم/ج۱/ص۱۲۸۔ رقم ۳۲۸۔ داری/ج۱/ص۳۷۴۔ رقم ۱۳۸۹

مسافت پر رعب کے ساتھ مجھے نصرت دی گئی۔ میرے لئے تمام
زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی (تاکہ) میری اُمت میں سے جس
شخص پر نماز کا وقت آجائے وہ صلوٰۃ ادا کرے۔ میرے لئے غنائم
(مال غنیمت) حلال کر دیئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہیں
کئے گئے اور مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا اور (مجھ سے پہلے) نبی
کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور مجھے عالم انسانیت کی
طرف مبعوث کیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب اور نصرت کی علامت آپ کی پیدائش سے متعلق روایات ہیں۔ آتش کدۂ فارس ٹھنڈا پڑ گیا اور کسریٰ کے محل کے کنگرے لرز گئے، اور تاریخ نے آگے چل کر ان علامتوں کو حقائق میں بدلتے دیکھا۔ ایران کے عقائد کی دنیا متزلزل ہوگئی اور روم و ایران کی سلطنتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے قدموں میں آ گریں۔ نماز جو اسلام کی شناخت اور ستون ہے، مسلمان کی عام زندگی کا حصہ یوں بنی کہ اُس کی ادائیگی کے لئے قید مقام ختم ہوگئی۔ اس سے مسجد کی اہمیت اور مرکزیت پر حرف نہیں آتا بلکہ اس سے دین کے دائرے کو وسعت دی گئی۔ مال غنیمت یوں جائز ٹھہرا کہ وہ خراج یا ثمرۂ کشور کشائی نہیں بلکہ مجاہد کا اکرام ہے۔ شفاعت پر گفتگو ہو چکی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ کہلا کر کہ!

انی رسول اللہ علیکم جمیعا

انسان کی وحدت قائم کر دی گئی جو توحید الٰہی کا توسیعی پہلو ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتیاز اور ایک عطیہ ربانی کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے، وہ ایک دوسری حدیث میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ امتیاز قرآن حکیم اور

سوۂ حسنہ کے ساتھ ساتھ آپ کا ہمیشہ قائم رہنے والا معجزہ ہے۔

وعن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست، اُعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب، و احلت لی الغنائم، و جعلت لی الارض طهورا و مسجدا، و ارسلت الی الخلق کافة و ختم بی النبیون (۲۷)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ چیزوں میں مجھے انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے، اور رعب کے ساتھ مجھے نصرت عطا کی گئی۔ اور میرے لیے غنائم حلال کیے گئے، اور میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک بنایا گیا اور میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور میرے ساتھ سلسلہ نبوت ختم کیا گیا۔

یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کا تکملہ ہے۔ اس میں جوامع الکلم کا اضافہ ہے۔ قرآنِ حکیم کی کتنی ہی مختصر آیات اپنے دامن میں انسانی معاشرے، ذات، قانون اور تصورات کی عظیم کتابیں رکھتی ہیں۔

ولقد کرمنا بنی آدم (۲۸)

شرف انسانیت کی عظیم دستاویز ہے۔

والعصر ○ ان الانسان لفی خسر ○ (۲۹)

ایمان اور عملِ صالح اور وصیت حق و صبر سے محروم انسان کی مکمل تاریخ

---

(۲۷) مسلم/ ج ا ص ۳۰۳ ۔ رقم ۵۲۳ ۔ ابن حبان/ ج ۶ ص ۸۷ ۔ رقم ۲۳۱۳ (۲۸) سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۷۰ (۲۹) سورۃ العصر، آیت ۱، ۲

ہے۔ان پانچ چھ لفظوں میں ساری انسانی تہذیبوں کے بکھرنے کی داستاں سمٹ آتی ہے۔حضرت امام شافعی کا کیسا بلیغ تبصرہ ہے کہ اگر لوگ سورۃ العصر پر ہی غور وفکر کرلیں تو یہ اُن کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔

الهکم التکاثر حتی زرتم المقابر (۳۰)

میں آج کی بے سمت، بے مقصد اور انسانیت سوز معاشی کش مکش اور مقابلے کا پورا منظر نامہ سمٹ آیا ہے۔آج کے انسان نے اپنی روح کو شیطان کے سپرد کرکے حصول متاع دنیوی کو اپنا مقصد حیات بنایا ہے۔چھوٹا گھر، اُس سے بڑا گھر، بنگلہ، کوٹھی، محل نما مسکن۔سوزوکی، ٹویوٹا، مرسڈیز سے لے کر رول رائس تک۔دنیا کی زندگی دھوکے کے سوا کیا ہے۔وحی متلو کا یہی عکس وحی غیر متلو یعنی حدیث رسول کریم ﷺ میں نظر آتا ہے کہ ایک لفظ میں دبستانِ معانی نظر آتے ہیں اور ایک حرف میں معانی کی تہیں اپنے آپ کو بے نقاب کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ہم عام عجمی مسلمان جو عربی زبان کے رموز ونکات سے نا آشنا ہیں، کس آسانی سے ان جوامع الکلم کی فضا میں سانس لیتے ہیں، یہ جاودانی کلمات کس طرح ہمیں یاد ہو جاتے ہیں، کس طرح موقع محل کے مطابق ذہن سے نکل کر ہمارے لبوں سے ادا ہوتے ہیں۔اسے آپ معجزے کے سوا کس لفظ سے تعبیر کریں گے۔چند مثالیں بلا کسی تلاش کے پیش کی جاتی ہیں۔

انما الاعمالُ بالنیات (۳۱)

یہ ایک طویل تر حدیث کا حصہ اور ''جوامع الکلم'' کی بہترین مثال ہے۔اپنی ظاہری سطح پر بہت سے اعمال یکساں معلوم ہوتے ہیں، مگر اللہ کے ہاں اُن کے اجر کا انحصار نیت پر ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی مثال دی، ہجرت جو مسلمان کی زندگی کا آئین ہے۔جس نے اللہ کے لئے ہجرت کی اُس کا اجر اُس کے رب کے پاس ہے۔

(۳۰) سورۃ تکاثر، آیت ۱ (۳۱) بخاری/ ج ۱، ص ۴۔

تو (تمکین فی الارض، حکومت، باطل پر غلبہ ثانوی اجر ہیں) اللہ کی رضا اور خوشنودی کی جنت اُس کے لئے ہے، اور جس نے کسی عورت یا دنیاوی چیز کے لئے ہجرت کی اور وہ عورت یا وہ چیز اُسے مل گئی تو اب اس کے رب کے پاس اُس کے لئے کوئی اجر نہیں۔ اس موضوع پر انما الاعمال بالنیات کی روشنی میں غور کرتے جایئے۔ فکر اور انکشافات کا سلسلہ ختم نہ ہوگا۔

الصلوۃ معراج المومنین

شہادت توحید و رسالت کے بعد صلوٰۃ السلام کا سب سے اہم رکن اور ستون ہے۔ اسی عبادت نے اسلامی معاشرے کے سب سے اہم ادارے یعنی مسجد کی تخلیق کی۔ مسجد مسلم معاشرے کا سنگِ بنیاد ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی، پھر مسجدِ نبوی اور مسجدِ جمعہ کی تعمیر کی گئی۔

انبیائے سابقین کی معراج انفرادی ہوتی تھی۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج اُن کی اُمت کی معراج بھی تھی۔ نماز اُمتِ محمدیہ ﷺ کے لئے سرورِ کون ومکاں کی معراج کی یادگار اور تحفہ ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جو خالق ومخلوق کے درمیان مکالمہ بن جاتی ہے۔

اب بلا کسی تبصرے کے چند جوامع الکلم آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں، آپ ان پر غور کیجئے۔ آپ کا ایمان ان کلمات کے قفلِ معانی کے لئے کنجی کا درجہ رکھتا ہے۔

۱۔ اِنَّ اللہ طیب لایقبل الا طیبا (۳۲)

اللہ کی ذات پاک اور طیب ہے اور وہ پاکیزہ چیزوں (اور پاکیزہ مال) کے سوا کچھ قبول نہیں فرماتا۔

---

(۳۲) مسلم/ ج ۲ ص ۹۴۔ رقم ۱۰۱۵۔ ترمذی/ ج ۴، ص ۲۶۴۔ رقم ۳۰۰۰

۲- من احتکر فھو خاطی (۳۳)

جس نے احتکار کیا وہ گناہ گار ہے۔

احتکار قیمتوں میں اضافے کی خاطر ضرورت کی چیزوں کو روک لینے اور بازار میں نہ لانے کا عمل ہے۔ آج کی اصطلاح میں ذخیرہ اندوزی احتکار کہلاتا ہے۔

۳- الدین النصیحة (۳۴)

دین خیر خواہی (کا نام) ہے۔

۴- اعط الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقه (۳۵)

مزدور کو اس کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

۵- لعنة اللّٰہ علی الراشی والمرتشی (۳۶)

اللہ کی لعنت ہو رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر۔

۶- افضل الصدقة ان تشبع کبدا جائعاً (۳۷)

بہتر اور افضل صدقہ ہے کہ تم کسی بھوکے کو پیٹ بھر کھانا کھلاؤ۔

۷- عودوا المریض (۳۸)

بیمار کی عیادت کرو۔

۸- المؤمن مرآة المومن (۳۹)

مومن مومن کا آئینہ ہے۔

---

(۳۳) مسلم/ ج ۳، ص ۶۳۔ رقم ۱۶۰۵۔ بیہقی کبریٰ/ ج ۶، ص ۲۹۔ رقم ۱۰۹۳۰ (۳۴) مسلم/ ج ۱، ص ۷۹۔ رقم ۵۵۔ ترمذی/ ج ۳، ص ۳۲۷۔ رقم ۱۹۳۲ (۳۵) ابن ماجہ/ ج ۳ ص ۱۰۳۔ رقم ۲۴۴۳۔ بیہقی کبریٰ/ ج ۶، ص ۱۲۰۔ رقم ۱۱۴۳۴ (۳۶) ابن ماجہ/ ج ۳، ص ۵۹۔ رقم ۲۳۱۳ (۳۷) شعب الایمان/ ج ۳، ص ۲۱۷۔ رقم ۳۳۶۷ (۳۸) مجمع الزوائد/ ج ۲، ص ۲۹۹۔ احمد/ ج ۳، ص ۲۳ (۳۹) ابوداؤد/ ج ۴ ص ۳۰۴۔ رقم ۴۹۱۸

احادیث کے مجموعوں میں فکر و خیال کے ایسے جزیروں بلکہ دنیاؤں کی کمی نہیں۔

آخری حدیث کے پہلوؤں پر ذرا غور فرمایئے کہ مومن مومن کا آئینہ ہے۔ آئینہ سچا عکس پیش کرتا ہے، اسی لئے ایک مومن کی نگاہ اور فکر میں دوسرے مومن کی حقیقی شخصیت کا عکس نظر آئے گا۔ پھر یہ کہ آئینہ عکس کو مسخ کئے بغیر پیش کرتا ہے۔ مومن، اپنے مومن بھائی کے سلسلے میں کوئی خیانت نہیں کرے گا۔ یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ آئینہ جتنا شفاف اور اعلیٰ درجے کا ہوگا۔ اس میں عکس بھی اُسی درجے شفاف اور روشن ہوگا۔ پھر مومن کے آئینے میں مومن کا عکس ایک امانت ہے، وہ پیٹھ پیچھے غیبت یا بدگوئی سے کام نہیں لے گا۔ آئینے میں عکس کی تخلیق کے لئے شبیہ کا سامنے موجود ہونا لازم ہے۔ پھر آئینہ یہاں ایک استعارہ ہے۔ مومن اپنے لئے جو پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے۔ آئینے میں احتساب کا پہلو بھی ہے۔

صاحب کوثر، صاحب خُلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا جواب اور سیدنا عیسیٰ بن مریم کی بشارت ہیں۔ یہ بات قرآنِ عظیم کی سند پر قائم ہے اور یہ بھی آپ ﷺ کی ذات کا معجزہ ہے کہ حالی کا یہ شعر کثرتِ استعمال کے باوجود تازہ اور شاداب ہے

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

سیدہ اُمِ نبی حضرت آمنہ کا خواب بھی آپ ﷺ کے وجود کی برکات کا ایک استعارہ ہے۔

وعن العرباض بن سارية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال انى عندالله مكتوب خاتم النبين و ان آدم لمنجدل فى طينته و ساخبركم باوّل ذالك دعوة

ابراهيم وبشارة عيسیٰ و رويا أمي التي رات حين وضعتني وقد خرج لها نور اضاءت لهامنه قصور الشام (۴۰)

عرباض بن ساریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں مجھے خاتم النبین کے طور پر اُس وقت لکھ دیا گیا جب آدم اپنی گوندھی ہوئی مٹی کی شکل میں تھے اور میں تم کو اپنے امر (اور وجود) کی ابتدا کے بارے میں خبر دیتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا کہ اُن میں سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔

اسی نور مبین، اسی دعا اور اسی بشارت اور اسی حقیقت بنیا دخواب کے الفاظ سے اس کے مرتبہ عالی کا یہ مختصر خاکہ مرتب کیا گیا:

☆

(۴۰) ابن حبان / ج ۱۴ / ص ۳۱۳ ۔ رقم ۶۴۰۴

مقامِ محمد ﷺ

قرآنِ کریم کے آئینے میں

قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ کے بعد البقرہ سے ہوتا ہے۔ سورۂ فاتحہ وہ دعا ہے جو رب کائنات نے مسلمان کو عطا کی، اور قرآنِ حکیم جوابِ دعا ہے۔ سورۂ فاتحہ اللہ کی ربوبیت، اُس کے مستحق عبادت ہونے اور اُس سے ہدایت طلب کرنے کا اعلان ہے، اور طلبِ ہدایت کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ:

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ O (۱)

اِس کتاب میں کوئی شبہ نہیں (اِس کے کتابِ الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں) اور یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔

یہ سورۂ بقرہ کا شرف اور عظمت ہے کہ قرآنِ عظیم کے بارے میں یہ اعلان اُس کا نقطۂ آغاز ہے۔ حضرت ابن عربی نے سورۂ بقرہ کے بارے میں اپنے بزرگوں کے

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۲

حوالے سے لکھا ہے کہ!

اس میں ایک ہزار امر اور ایک ہزار نہی اور ایک ہزار حکمتیں، ایک ہزار خبر اور قصص ہیں۔ (۲)

سورۂ بقرہ کا آغاز بعض بنیادی مباحث و مطالب (مسلمان کی تعریف اور خصائص، منافقوں کی علامات، قرآنِ حکیم کی صداقت) کے بعد بنی اسرائیل کے واقعات سے ہوا ہے، تاکہ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والوں کو اپنا راستہ متعین کرنے اور اپنے رویے کے تعین میں آسانی ہو اور وہ اُن کی راہ پر نہ چلیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔ **مغضوب علیھم** وہ لوگ ہیں جو دین کے احکام و معارف سے دانستہ بغاوت کرتے تھے (یا آج بھی کرتے ہیں)۔ حق سے گریز، حیلہ جوئی، قتلِ انبیاء، جن کی شناخت تھی۔ بنی اسرائیل کو اقوامِ عالم کا Test Case کہنا مناسب ہوگا۔ قرآنِ حکیم نے کتاب کے ساتھ ساتھ تسلسلِ نبوت کے نکتے کو پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار در حقیقت سلسلۂ وحی سے نفرت اور عداوت کا اظہار ہے۔ وہ جو ایک رسول کے منتظر تھے اور اُسی رسول کے عہد کو پانے اور اُسے دیکھنے کے لئے یثرب اور اُس کے نواح میں آ کر آباد ہوئے تھے، سلسلۂ وحی کو دائرہ بنی اسحٰق سے نکلتے دیکھ کر اللہ، جبرئیل، ملائکہ اور رسل کے دشمن ہو گئے۔ وہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور صداقت کے دل سے قائل تھے، مگر عناد و عداوت نے قبولِ حق سے روک دیا، اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان سے یوں خطاب فرمایا!

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ O مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ

(۲) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۷۶ء، ج ۱/ص ۱۰۴

اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ O وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَ مَایَکْفُرُ بِھَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ O (۳)

ان سے کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبریل سے عداوت رکھتا ہو، اُسے معلوم ہو کہ اُسی نے تمہارے قلب پر اللہ کے اِذن سے یہ (قرآن) نازل کیا ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور جو مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ (کہہ دو کہ) جو اللہ اور اُس کے ملائکہ اور اُس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کافروں کا دشمن ہے اور ہم نے بیّن اور کھلی ہوئی آیات تمہاری طرف نازل کی ہیں اور ان کا انکار فاسق ہی کرتے ہیں۔

یہ آیات کس طرح ہادیٔ نوعِ بشر، بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عظیم کو پیش کرتی ہیں۔ آپ کا دشمن اللہ کا دشمن ہے، اور آپ کے قلبِ مبارک پر جو کتاب نازل ہوئی وہ تورات کی مصدق ہے، پس جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتے ہیں وہ اللہ کے دشمن اور انسانوں کے لئے سلسلۂ ہدایت کے مخالف اور دشمن ہیں۔

یہی نکتہ اگلی آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور قرآنِ حکیم کے ان دشمنوں کی شعوری دشمنی اور مخالفت کے پردوں کو چاک کر دیا ہے۔ بنی اسرائیل نے وحی الٰہی سے منہ موڑ کر جادو ٹونے، عملیات اور گنڈوں کو اختیار کر لیا تھا، اور یوں حق کی جگہ باطل اور ایمان کی جگہ کفر ان کا شعار ٹھہرا۔ حضرت محمدِ مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بنی اسرائیل کے لئے اُن کی بازیابی اور بازآفرینی کا آخری موقع تھا، سے انہوں نے حق دشمنی کے تحت ضائع کر دیا۔

وَلَمَّا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ

(۳) سورۂ بقرہ آیت ۹۷ تا ۹۹

فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ (۴)

اِن کا رویہ تو یہ تھا کہ ''اِن کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آیا جو اِن کے پاس موجود تھی تو اِن کے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اِس طرح پسِ پشت ڈال دیا گویا کہ وہ کچھ نہیں جانتے'' (حالانکہ اُنہیں معلوم ہے کہ یہ کتاب اللہ ہے)۔

بنی اسرائیل کا یہ رویہ رسولوں کے ساتھ تھا، مگر یہاں پر تذکرہ عمومی ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی اسرائیل کے رویے کا احاطہ کرتا ہے، کیونکہ اِس آیت کے بعد آیت نمبر ۱۰۴ سے سورۂ بقرہ کا نیا رکوع شروع ہوتا ہے، جس میں بنی اسرائیل کے رویے اور مخالفت کے پس منظر میں ہمیں اہلِ ایمان سے قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا پہلا خطاب سُنائی دیتا ہے۔

(۴) سورۂ بقرہ آیت ۱۰۱

اہلِ ایمان سے پہلا خطاب

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ O (۱)

اے ایمان والو! راعنا نہ کہا کرو، بلکہ اُنظرنا کہو اور توجہ سے سنو، اور کافروں کے لئے تو عذاب الیم ہے۔ یہ اہلِ کتاب یا مشرک جنہوں نے قبولِ حق سے انکار کر دیا ہے ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیر نازل ہو، لیکن اللہ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

آیت ۱۰۴ سے اُن آداب کا باب ہمارے لئے وا ہوتا ہے، جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی نہیں بلکہ لاپروائی اور ادب کی ادنیٰ سی کمی کا نتیجہ حبطِ اعمال ہوسکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۰۴۔۱۰۵

اس نکتے سے خوب واقف تھے۔ وہ مجلسِ نبوت میں یوں مؤدب اور ساکت بیٹھتے جیسے بے جان مجسمے ہوں۔ یہاں قرآنِ عظیم یہودیوں کی ایک نازیبا حرکت کی نشاندہی کر رہا ہے۔ مدینہ کے یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس بابرکات میں آ کر بیٹھتے، مگر برکات وسعادت کے حصول کے لئے نہیں بلکہ شرارت کے لئے۔ اُن کی ایک شرارت تو یہ تھی کہ توجہ سے بات نہ سنتے اور پھر دوسروں کی توجہ کو منتشر کرنے کے لئے کہتے۔ ''راعنا'' یعنی ہماری طرف توجہ فرمایئے اور ہماری رعایت کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حد درجہ تحمل سے کام لیتے اور اُن کی ایسی باتوں پر کسی ناخوشگوار ردِعمل کا اظہار نہ کرتے۔ بعض مسلمان بھی کسی نکتے کو سمجھنے کی غرض سے ''راعنا'' کہہ دیتے۔ عام مسلمانوں نے اپنی نیک نفسی اور کشادگیٔ قلب ونظر کی وجہ سے کبھی اس بات پر توجہ نہ دی کہ ''راعنا'' کی ادائیگی میں یہودی اپنے خبثِ باطن سے کام لیتے تھے اور زبان کو دبا کر یہ لفظ ادا کرتے جس سے اس کا تلفظ بدل کر ''راعینا'' ہو جاتا، یعنی یہ مرکب لفظ بن جاتا ''راعی'' اور ''نا'' کا مرکب اور اس کے معانی ہو جاتے ''ہمارا چرواہا''۔ اس کے علاوہ عبرانی میں یہ لفظ احمق کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا۔

یہودی اپنی محفلوں میں اس بات پر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے کہ انہوں نے ہماری تقلید میں اپنے رسول کے لئے نازیبا اندازِ تخاطب اپنا لیا ہے۔ اس پر قرآنِ حکیم نے انہیں حکم دیا کہ وہ راعنا کو ترک کر کے ''اُنظرنا'' کہیں، اور اس حکم کی تکمیل یوں کی گئی کہ ''اسمعوا'' توجہ سے سنا کرو، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دہرانے کی زحمت نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوئے مرتبہ کا یہ پہلو کتنا اہم ہے کہ آپ کے ذکر میں حد درجہ احتیاط مسلمانوں کے اندازِ زیست کا حصہ ہے۔ پھر یہود کی آواز اور لہجے میں بھی منصب نبوت کا لحاظ اور پاس داری نہ تھی۔ احترامِ نبوت کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کی بات حد درجہ نرمی، توجہ اور شائستگی کے ساتھ سنی جائے۔ آپ کے حضور آوازیں پست رہیں۔ یہ

ایک دائمی حکم ہے اور آج اِس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اپنے نفس کو اُس بات کے سامنے جھکا دیں جس کی آپ نے تعلیم دی۔ سورۂ حجرات میں سورۂ بقرہ کے اسی حکم کو دوسرے سیاق وسباق میں نہایت ہی وضاحت کے ساتھ توسیعی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوْآ اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O (۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نبی ﷺ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو، جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں (اور کیا دھرا اکارت ہو جائے) اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

قرآنِ حکیم کے اندازِ کلام کے پھیلاؤ اور بلاغت کو ملاحظہ کیجئے۔ اہل ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے عزیز رکھتے تھے۔ اس بات کا ثبوت انہوں نے ان معرکوں میں دیا جب موت، زندگی کی نسبت اُن سے قریب تر تھی۔ لیکن وہ ایک ایسے معاشرے کے فرد تھے جہاں آداب، قربتِ عمل کے منافی سمجھے جاتے تھے۔ اسلام نے اس پورے منظرنامے کو بدل دیا اور محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اُن کی آزادیوں کو آداب کے سانچے میں ڈھال دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب پر بعض اور پہلوؤں سے بھی غور مناسب ہوگا۔

(۲) سورۂ حجرات، آیت ۲

ادبِ رسولِ کریم ﷺ کے پہلو

رحمۃ للعالمین، صاحب خُلقِ عظیم حضرت ابوالقاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آواز بلند نہ کرنے کے حکم سے پہلے یہ فرمایا گیا کہ!

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ O (۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

قرآنِ حکیم نے یہ صراحت نہیں فرمائی کہ کن امور میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے سامنے آگے نہ بڑھا جائے۔ اِس سے یہ نکتہ اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ مومن کو اپنی پوری زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل کا اتباع کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور عمل اللہ کے احکام اور اشارات کے مطابق تھا، اور یوں آپ کے سامنے پیش قدمی نہ کرنا اللہ کے سامنے ٹھہر جانے کے مترادف ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اہلِ ایمان کو وہ آداب اور احکام عطا

(۱) سورۂ حجرات، آیت ۱

کیے گئے جن کے دائرے بہت وسیع ہیں۔ اسی حکمِ قرآن کی بنیاد پر یہ اصول اخذ کیا گیا ہے کہ علما اہلِ علم اور استاد کا احترام بھی اسی انداز سے کیا جائے۔

ایک دن حضرت ابوالدرداءؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیا کے بعد ابوبکرؓ سے بہتر و افضل ہو۔ (۲)

اب لاترفعوا اصواتکم کی طرف پھر آیئے۔ جیسا کہ لکھا گیا کہ یہ دائمی حکم ہے جس کے تحت ہم اپنی کسی رائے یا خیال یا میلان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا عمل پر ترجیح دے کر ''حبطِ اعمال'' کے عذاب میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اس مفہوم کے علاوہ یہ حکم اپنے ظاہری اور لفظی پہلو کے اعتبار سے آج بھی واجب اتباع ہے۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف میں آج بھی بے حد پست آواز میں سلام پیش کرنا چاہئے۔ یہاں جنبشِ لب کا آہنگ بھی برقرار رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ یہی وہ مقامِ فلک رفعت ہے جس کے بارے میں کہا گیا!

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہاں اہلِ ایمان کو فضا میں اُڑتے ہوئے پرندوں کے اندازِ پرواز میں بھی ادب کے قرینے نظر آتے ہیں اور فضا بھی سانس روکے ہوئے دست بستہ کھڑی دکھائی دیتی ہے۔

اسی حکم کا اطلاق اُن محفلوں پر بھی ہوتا ہے جن میں صاحبِ حکمتِ کبریٰ صلی اللہ

(۲) معارف القرآن، ج ۸/ص ۱۰۰

علیہ وسلم کی احادیث پڑھی جا رہی ہوں۔ مجالسِ حدیث میں یوں شرکت کی جائے جیسے ہم اپنے آقا، اپنے ہادی، اپنے مولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلِ بابرکات میں بیٹھے ہوں۔ زمانے کی گردشیں اس ذوقِ حضوری اور اِس رشتے پر غالب نہ آ سکی ہیں اور نہ آ سکیں گی۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے آداب اِس درجہ اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ تقویٰ اور عقل کی اساس قرار دیئے گئے۔ جن کے دلوں میں تقویٰ جاگزیں ہے اور جو صاحبانِ عقل ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجۂ صبا کے لہجے میں لب کشا ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجلس میں رونق افروز نہ ہوتے اور حجراتِ امہات المومنینؓ میں سے کسی حجرے میں ہوتے تو انتظار کرتے اور انتظار کے یہ لمحے بھی انہیں ادب کا درس دیتے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ O اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ O وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (۳)

جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔ انہیں کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔ (اے نبی ﷺ) جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں (اور پکارتے ہیں) اُن میں سے اکثر صاحبِ عقل

(۳) سورۂ حجرات آیت ۳ تا ۵

نہیں ہیں، اور اگر وہ آپ کے باہر نکلنے تک صبر کر لیتے تو اُن کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ مغفرت اور درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

ان آیات پر غور فرمایئے تو نبیٔ اعظم اور ہادیٔ برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بلندیٔ رتبہ کی وسعتوں کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آدمی کے تقویٰ کا پیمانہ ہے۔ جو حضرت ختمی مرتبت کا جس قدر احترام کرے گا اُسی درجہ تقویٰ اُسے حاصل ہوگا۔ احترامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کے قلوب کو اللہ تعالیٰ ''ادب کی تخم ریزی'' کے لئے پرکھ لیتا ہے اور احترامِ رسول ﷺ کے ذریعے ان کے قلوب کو صاف اور تقویٰ کا امانت دار بنا دیا جاتا ہے۔ ''حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں۔ قرآن، پیغمبر، کعبہ، نماز۔ اِن کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (۴)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلافِ ادب ہے تو آپ ﷺ کے احکام و ارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اُٹھانا کس درجے کا گناہ ہوگا۔ (۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کردہ اصحاب تو تہذیبِ نفس، احترام و ادب، آدابِ معاشرت اور تزکیہ قلوب کی اعلیٰ ترین مثالوں کا درجہ رکھتے تھے، لیکن جو بدوی، مختلف قبائل کے لوگ دربارِ نبوت میں مسلسل حاضری دے رہے تھے وہ ابھی تربیتِ نبوی ﷺ اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے تقویٰ سے دور تھے۔

حجروں کے باہر سے آواز دینے کی مثالیں ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں، لیکن

---

(۴) سورۂ حج، آیت ۳۲ (۵) مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، دارالاشاعت کراچی، ۹۳،، ج ۲/ص ۵۸۶

الحجرات کی ان آیتوں کی شانِ نزول یہ بیان کی جاتی ہے۔

بنی تمیم ملنے کو آئے۔ حضور ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف رکھتے تھے وہ لوگ باہر سے آوازیں دینے لگے کہ یامحمد ﷺ اُخرج الینا (اے محمد! باہر آیئے) یہ بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو نہیں سمجھتے تھے۔ کیا معلوم اُس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو، یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہوں۔ آپ کی ذات منبع البرکات تو مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور کا مرکز و ملجا تھی۔ کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جائے، اگر اُس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آخر پیغمبر کا ادب و احترام بھی کوئی چیز ہے۔ چاہیے تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ ﷺ کے باہر تشریف لانے تک صبر کرتے۔ جب آپ ﷺ باہر تشریف لا کر اُن کی طرف متوجہ ہوتے اُس وقت خطاب کرنا چاہیے تھا۔ ایسا کیا جاتا تو اُن کے حق میں بہتر اور قابلِ ستائش ہوتا۔ تاہم بے عقلی اور نادانستگی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اُس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا ہے۔ چاہیئے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہو کر آئندہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور ﷺ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قومِ مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہو جاتے ہیں اور یہ ہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اُخوۃ کا نظام قائم ہے۔ (۶)

(۶) تفسیر عثمانی / ایضاً

رسالت ونبوت

قرآنِ حکیم کی ابتدائی آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر زور دیا گیا ہے اور منصبِ رسالت کے حوالے سے آپ کا مرتبہ نظروں کے سامنے لایا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے انسانوں تک اللہ کا پیغام یوں پہنچایا کہ آپ ﷺ کے ذریعے دین کی تکمیل کی گئی، اور جیسا کہ آپ نے صفحاتِ گزشتہ میں ملاحظہ کیا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت درحقیقت سلسلۂ وحی ورسالت کی مخالفت تھی۔

یہ نکتہ آپ کے سامنے آچکا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کا پہلا خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہے۔ تین آیات کے بعد ہی اہلِ ایمان سے فرمایا گیا۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ O (۱)

کیا تم (مسلمان) بھی چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اُسی طرح سوال کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ سے سوال ہو چکے ہیں، اور جو ایمان کے بدلے کفر اختیار کرلے تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک (اور

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۱۰۸

بھٹک) گیا۔

رسول ہونا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور بنیادی اعزاز ہے۔

اس پر اضافہ کیجئے آخری رسول ہونے کا۔ وہ جس پر سلسلۂ رسالت کو ختم کیا گیا۔

اب ذرا قرآنِ حکیم کے اندرونی اور معنوی ربط اور ارتقائے مسلسل کو نظر میں رکھئے۔ سورۂ بقرہ کی آیات ۹۷ تا ۹۹ سے یہ نکتہ سامنے آیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سلسلۂ وحی و نبوت کی مخالفت و عداوت ہے، پھر یہودیوں کا طرزِ عمل سامنے آیا (آیات ۱۰۴-۱۰۵) کہ ایک ''راعنا'' میں انہوں نے اپنے خبثِ باطن کو کس طرح سمو دیا۔ اب اُسی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے اُسی حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ کیا تم یہودیوں کی تقلید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسی طرح سوال کرنا چاہتے ہو جیسے یہودی حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے کیا کرتے تھے، یوں یہ بات اُبھر کر آ گئی کہ ایمان لانے کے بعد اُمتی کا اپنے رسول سے کیا اور کیسا تعلق ہونا چاہئے۔ یہ تعلق سمع و اطاعت کا تعلق ہوگا۔ یہ رشتہ غیر واقعی سوالات اور منطقی موشگافیوں کا رشتہ نہیں ہے، کیونکہ رسالت کے اقرار کے بعد ایمان لانے والا اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ رسول اپنی اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اس ایمان کے بعد اُس پیغام کو اپنانے اور اُسے راہِ حیات کے طور پر قبول کرنے کے سوا کوئی اور راستہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ رسالت، نبوت سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اپنے بھیجنے والے کے پیغام کو اپنی اُمت کے افراد کی ذہنی اور اخلاقی صلاحیتوں کے مطابق تسلسل اور آہستگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور تدریج کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔ حضرت احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری دنیا اور آنے والے تمام زمانوں کے لئے مبعوث فرمائے گئے، اِسی لئے یہ پیغام ۲۳ سال کی مدت مین تدریجاً یوں نازل کیا گیا کہ اس کے ہر پہلو کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعے یوں پیش کیا کہ ہر نقطہ، ہر لفظ اور ہر حکم انسانی عمل کے دائرے میں

شامل کر دیا اور یوں انسانوں پر حجت قائم فرما دی۔ اس سے منصب رسالت کے ساتھ ساتھ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عالی کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ تو منصب رسالت کی عظمت و بلندی کے امین اور نشان ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے رسالت کے مفہوم کو جہاں تک ہو سکے، سمجھنا ضروری ہے، ویسے رسالت ایک ایسا مرحلۂ بلند، ایسا رتبۂ عظیم اور ایسی ذمہ داری ہے جس کا مکمل احاطہ انسان کے لئے ممکن نہیں۔ وحی الٰہی کے بوجھ کو برداشت کرنے والا قلب کن عظمتوں کا حامل ہوتا ہے۔ اس کو اللہ اور اُس کے رسولوں کے علاوہ کون جان سکتا ہے، بالخصوص آخری وحی کے سلسلے کو فرشتے کے ذریعے وصول کرنا یا راست سننا، صرف قلب محمدی کے لئے یہ عظمت اور یہ عظیم ذمہ داری ودیعت ہو چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام بیشک ہماری طرح بشر تھے اور اُن کے اور ہمارے درمیان یہی فرق تھا کہ اُن پر وحی نازل ہوتی تھی اور وحی الٰہی (قرآن) کا بوجھ تو ایسا تھا کہ پہاڑ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط (٢)

اگر یہ قرآن ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو ضرور دیکھ لیتا کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا۔

قرآنِ حکیم کے اِن الفاظ سے اللہ کے کلام کی عظمت کا نقش بھی اُبھرتا ہے، متکلم کی جلالت بھی سامنے آتی ہے اور مخاطب کلام کا مرتبہ بھی۔ یہ کلام تو ایسا ہے کہ اس کی عظمت سے پہاڑ کا جگر بھی شق ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کفار کی شقاوتِ قلبی کو دیکھئے کہ اُن کے دل اِس کلام کی ہیبت وعظمت کے سامنے بھی سپر انداز نہیں ہوتے۔

---

(٢) سورۂ حشر، آیت ٢١

قرآن عظیم کی منزلت کے اِس ذکر کے بعد ہی ارشاد ہوا کہ!

وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِ بُھَا لِنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ O (۳)

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سناتے ہیں تا کہ وہ غور کریں۔

اِس کے بعد ہی سورۂ الحشر کی وہ دو آخری آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے کئی اسماءالحسنیٰ ایک ساتھ آتے ہیں۔ وہ اسماء الحسنیٰ جو متکلم کی شان کے آئینہ دار ہیں اور کلام کی عظمت کا اشاریہ بھی۔

قرآنِ کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ذکر کے سائے میں دوسرے رسلِ کرام علیہم السلام کی عظمتوں کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرنے سے پہلے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''رسول'' کے لغوی معنوں اور مفاہیم کو پیش کر دیا جائے۔ رسول کے ساتھ جو دوسرے فرائض وابستہ ہیں اور جو منصب رسالت کی شاخیں اور شانیں ہیں وہ بعد میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

رسول کے بنیادی معانی میں سے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کسی شئے (یا فرد) کے سامنے جو رکاوٹ ہو اُسے ہٹا دیا جائے اور اُس رکاوٹ کے ہٹنے سے وہ چیز یا فرد آہستگی اور نرمی سے چل پڑے۔ جب رسول کے سامنے سے دنیا کی حدود اور تنگیوں کو دور کر دیا جاتا ہے اور ایک نئی اور جاوداں دنیا اُس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے تو وہ اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے اور تنذیر و تبشیر کی راہوں سے گزرتا ہوا اس سفر میں انسانیت کے قافلے کی رہنمائی کرتا ہے۔ سورۂ العلق کی ابتدائی پانچ آیتوں کے بعد وحی کا سلسلہ خاصی مدت تک رکا رہا اور اُس کے بعد سورۂ المدثر نازل ہوئی!

یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَاَنْذِرْ O (۴)

اے مدثر! اُٹھ کھڑے ہو اور (لوگوں کو) خبردار کرو (ان کو اُن کے

(۳) ایضاً (۴) سورۂ مدثر، آیت ۱۔۲

رب کی نافرمانی سے ڈراؤ)

مدثر کا ترجمہ عام طور پر لحاف اوڑھنے والے اور کپڑے میں اپنے کو ڈھانپ لینے والے کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وحی الٰہی کو وصول کرنے والے نہایت عظیم تجربے کے ردِعمل کے طور پر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ مجھ پر لحاف (یا کمبل) ڈال دو، لیکن دثر کے مفاہیم اور بھی ہیں اور منصب عظیم رسالت کے ہم ردیف ہیں، لپٹ جانے کے علاوہ الدثر کثیر مال و متاع کو کہتے ہیں۔ درخت کے نئے پتے نکلنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اپنے گھر کو آراستہ، باترتیب اور درست کے معنی میں بھی یہ لفظ آتا ہے اور کسی پر چھا جانے کے مفہوم کو بھی یہ لفظ ادا کرتا ہے۔ اب سورۂ المدثر کی ابتدائی آیات کے معانی کو ذہن میں لایئے۔ وہ جسے رسالت کا مرتبہ عطا کیا گیا ہے اور جسے آغازِ سفر کا حکم دیا گیا، اُس سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے مدثر! اُٹھ کھڑے ہو اور لوگوں کو خبردار کرو اور اپنے رب کی کبریائی اور بڑائی کا اعلان کرو اور اپنے کپڑے کو طاہر اور پاک رکھو اور گندگی (رجز) سے دور رہو۔ (۵)

جب رسول کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی بھیجی جاتی ہے تو وہ ان تعلیمات کی تبلیغ ہر پہلو سے کرتا ہے۔ ایک طرف وہ اللہ کے پیغام کو اپنی قوم، اپنے علاقے یا عالمِ انسانیت تک پہنچاتا ہے اور دوسری طرف وہ وحی کے راستے پر اپنا سفر شروع کرتا ہے اور یوں کہ پیغامِ الٰہی کے ہر حکم، ہر لفظ اور ہر نقطے کو اپنے عمل کے ذریعے اُجال کر لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔ اُس کے عمل میں اِس درجہ اعتدال، حُسن اور ہمہ گیری ہوتی ہے کہ تعلیماتِ الٰہی کی منفعت اور انسان کے لئے اُس کی اہمیت و حیات بخشی واضح ہو جاتی ہے۔ ہر رسول اللہ کے پیغام اور وحی کو مکمل دیانت اور امانت کے ساتھ انسانوں تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ کسی مصلحت یا خوف کو اپنے راستے میں حائل نہیں ہونے دیتا، بلکہ حق تو یہ ہے کہ کسی

(۵) ان آیات کی تفسیر اور تفصیل سورۂ مدثر کے سلسلے میں آئے گی۔ انشاء اللہ

مصلحت کا تصور تک اُس کے ذہن میں نہیں آتا اور خوف سے تو اللہ کے صالح بندے بھی بلند تر ہوتے ہیں۔ وہ خوف اور حزن کے احساس اور سطح سے بلند تر ہوتے ہیں، پھر رسول کے سلسلے میں تو اس انداز سے سوچنا بھی ایمان کی نفی کرنا ہے۔ رسول کو ہر لحہ اللہ کی رفاقت حاصل ہوتی ہے۔ اُس کا رفیق اعلیٰ اُس کے سفر میں اُس کا تحفظ فرماتا ہے، اور جو رسول اس راہ میں اپنی جان سے گزر جاتے ہیں اور جنہیں اذیتیں دی جاتی ہیں یا قتل کر دیا جاتا ہے وہ اپنی مثال سے اس حقیقت کی صداقت پر گواہی دیتے ہیں کہ موت کا اندیشہ یا تجربہ بھی انہیں خوف میں مبتلا نہیں کر سکتا۔

ہر رسول اپنے راستے کا پہلا راہی ہوتا ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنی رسالت پر ایمان لاتا ہے اور مسلم اول ہوتا ہے۔ اس کا ایمان اس درجہ مکمل ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی مکمل رفاقت میں ڈھل جاتا ہے۔ اس رفاقت کو قرآنِ حکیم نے یوں پیش کیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے یہ کسوٹی مقرر کی گئی کہ وہ رسول اللہ کا اتباع کریں۔ رسول کی اطاعت ہی دین کی اساس تھی، ہے اور رہے گی۔ اہلِ ایمان سے یہی مطالبہ کیا گیا ہے کہ کسی اختلاف کی صورت میں وہ اللہ اور رسول کی طرف رجوع کریں۔

رسالت اور رسول کے سلسلے میں قرآنِ حکیم کی روشنی میں چند نکات اوپر پیش کیے گئے۔ ان سے تمام رسولوں کے مرتبے اور فرائض کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تو سلسلۂ رسالت ختم ہوا۔ وہ آخری رسول ہیں اور اُن کی رسالت پر ایمان لانا قیامت تک کے لئے انسانوں پر فرض کر دیا گیا۔ پھر وہ کسی ایک قوم کی طرف نہیں بھیجے گئے بلکہ تمام انسانوں کے لئے۔ وہ جو آپ کے عہد میں موجود تھے اور وہ جو قیامت تک اس خاک داں میں آئیں گے۔

ہمارا ارادہ تھا کہ ''نبوت'' کا ذکر ''رسالت'' اور اُس کے متعلقہ پہلوؤں کے

بعد کریں گے، لیکن مزید غور کے بعد یہی مناسب معلوم ہوا کہ نبوت کی وضاحت کا یہی مرحلہ ہے اور پھر ان شا اللہ، رسالت ونبوت کے مفاہیم کی روشنی میں مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلکیاں پیش کی جائیں گی۔

ہمارے تفسیری ادب میں رسالت اور نبوت کے فرق کو بڑے عالمانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے اور منطق وفلسفہ، ادب ولغت کے حوالوں سے ان دونوں کے درمیان لکیر کھینچی گئی ہے، مگر قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جن رسولوں کے اسمائے گرامی کتاب اللہ میں آئے ہیں اور بار بار آئے ہیں اُن میں سے بیشتر کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول کہا ہے، یعنی وہ نبی بھی تھے اور رسول بھی، لیکن سلسلہ نبوت کے ارتقا اور مدارج کو سامنے رکھتے ہوئے رسول اور نبی کے مابین بہت ہلکے سے اور لطیف فرق کا احساس ہوتا ہے۔ ہر وہ جلیل القدر ہستی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے نوازا وہ نبی ہے اور جسے نئی شریعت عطا کی گئی وہ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ رسول بھی ہے۔ بنی اسرائیل میں بہت سے نبی بھیجے گئے۔ تواتر کے ساتھ یکے بعد دیگرے، تاکہ پیغامِ ہدایت کو دہراتے رہیں۔ یہ سب رسول نہیں تھے۔ ان انبیا میں سے جن کو خصوصی امتیاز حاصل ہوا یعنی مکذبین کے مقابلے پر جداگانہ امت کی طرف مبعوث ہوں یا نئی کتاب اور مستقل شریعت رکھتے ہوں وہ ''رسول نبی'' یا ''نبی رسول'' کہلاتے ہیں۔ شرعیات میں جزئی تصرف مثلاً کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید وغیرہ رسول کے ساتھ مخصوص نہیں عام انبیاء بھی کر سکتے ہیں۔ (۶)

قرآنِ حکیم کی بعض سورتوں میں ''رسول نبی'' یا ''نبی رسول'' کا ذکر ایک مرتبہ سے زیادہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ''سورۂ مریم'' کا ذکر بطورِ خاص مناسب ہوگا۔

سورۂ مریم میں حضرتِ ادریس علیہ السلام کا ذکر ایک آیت میں ملتا ہے!

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّاO (۷)

---

(۶) تفسیر عثمانی/ ج ۲، ص ۶۸ (۷) سورۂ مریم، آیت ۵۶

اور کتاب میں ادریس کا ذکر کر۔ وہ سچے نبی تھے۔

قرآن کریم میں صرف دو بار حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ ایک بار سورۂ مریم میں اور دوسری جگہ سورۂ انبیاء میں۔ سورۂ انبیاء میں اُن کا اسم گرامی حضرت اسمٰعیل اور ذالکفل کے ساتھ ملتا ہے اور انہیں ''صابرین'' میں شمار کیا گیا ہے۔ صبر کی صفت انسانوں کو انبیا کے واسطے اور مثال سے عطا کی گئی ہے!

وَاسْمٰعِيلَ وَادْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ (۸)

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل۔ یہ سب ہیں صبر کرنے والے۔

مؤرخین اور تاریخ انبیا کے مصنفوں اور محققوں کے نزدیک حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح سے پہلے مبعوث ہوئے۔ لیکن مسلم شریف کی ایک حدیث، جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، کے مطابق حضرت نوحؑ، حضرت آدمؑ کے بعد پہلے رسول ہیں۔ یوں قرآنِ حکیم اور حدیث، دونوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نبی، رسول نہیں ہوتا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

یا نوح انتَ اول الرُسل الیٰ اھل الارض (۹)

اے نوح! تم زمین پر سب سے پہلے رسول ہو۔

ہمارے عہد کے ایک مشہور ''اسکالر'' نے یہ کلیہ بار بار بیان کیا ہے کہ ہر رسول، نبی اور ہر نبی رسول ہوتا ہے۔ اُن کا ارشاد ہے کہ ''عام طور پر کہا جاتا ہے کہ رسول وہ ہے جو اپنے ساتھ کتاب بھی لائے اور نبی وہ ہے جو کتاب نہ لائے۔ یہ خیال قرآنِ حکیم سے بے خبری پر مبنی ہے۔'' یہ علمی تنازع ہمارا موضوع نہیں، لیکن حضرت ادریس کی قرآنی مثال اور مسلم شریف کی حدیث سے ہمارے اسکالر کی بے خبری آشکار ہو جاتی ہے۔ مگر مشکل یہ

---

(۸) سورۂ انبیاء، آیت ۸۵ (۹) ترمذی/ ج ۴، ص ۱۹۶۔ رقم ۲۴۳۴۔ مسلم/ ج ۱، ص ۱۵۷۔ رقم ۱۹۴۔ بخاری/ ج ۳، ص ۱۲۱۵۔ رقم ۳۱۶۲

ہے کہ وہ حدیث کو حجت نہیں مانتے۔

قرآنِ عظیم کے بعض مقامات اس خیال کو رد کرتے ہیں کہ نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ (۱۰)

اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی۔

رسول اور نبی کے درمیان واوٴ عطف دونوں کے فرق اور مغائرت کی دلیل ہے۔ اگر دونوں ایک ہی ہیں تو ولا نبی کہنے کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ نبی تو رسول ہی کے ذکر میں آ گیا اب علیحدہ ذکر کی کیا حاجت۔ (۱۱)

ایک اور نکتہ بھی سامنے رہے تو بہتر ہے اور وہ یہ کہ نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے اور رسولوں میں فرشتے بھی شامل ہیں۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (۱۲)

اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسول منتخب فرمالیتا ہے۔

نبی کے مادے کے سلسلے میں علمائے لغت میں اختلاف ہے، مگر ہمارے خیال میں ان تمام مادوں میں نبی اور نبوت کا کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہے۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ ''نباء'' کے معنی ہیں خبر دینا۔ اس اعتبار سے نبی وہ ہے جو خبریں دے (غیب اور مستقبل کی) بعض صاحبان نے اس مفہوم کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اُن کے نزدیک یہ تصور عہد نامہ قدیم کا تصور ہے۔ انگریزی کا لفظ Prophet بھی یہی معانی ادا کرتا ہے۔ یعنی

---

(۱۰) سورۂ حج، آیت ۵۲ (۱۱) مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، لغات القرآن، دینی کتب خانہ لاہور، ج ۳/ص ۷۲، رسول اور نبی کی مفصل بحث اس جلد میں ص ۷۱ سے ۸۲ تک موجود ہے۔

(۱۲) سورہ حج، آیت ۷۵

پیش گوئی کرنے والا۔ نبی اور نبوت کو اسی حد تک محدود رکھنا یقیناً نبوت کے مرتبۂ بلند کے ساتھ انصاف نہیں، لیکن یہ نبوت کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو ضرور ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک دلیل وہ پیش گوئیاں ہیں جو معجزے کے دائرے میں شامل ہیں۔ ہم محض ایک پیش گوئی کو پیش کر رہے ہیں۔ بہت سی ایسی پیش گوئیاں آپ حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ کی کتابوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ہجرت کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے قریش مکہ نے سو اونٹنیوں کے انعام کا اعلان کیا اور کتنے ہی لوگ تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ ان لوگوں میں سراقہ بن مالک بن جعشمؓ بھی شامل تھا۔ اس نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے نشاناتِ قدم کی مدد سے تعاقب شروع کیا۔ لیکن اس کے گھوڑے کو اچانک ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا، لیکن اب بھی اس نے ہار نہ مانی اور آپ کے نشانات پر آگے بڑھتا رہا۔ دوسری مرتبہ اُس کے گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور وہ گرا۔ پھر سوار ہوا اور تعاقب شروع کیا، یہاں تک کہ یہ لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) اُس کو سامنے نظر آ گئے اور اُسی وقت تیسری بار گھوڑے نے سخت ٹھوکر کھائی اور اُس کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ گر پڑا، اسی کے ساتھ بگولہ یا آندھی کی شکل میں وہاں سے دھواں بھی اُٹھا...... عین اُس حال میں...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اُس دن کی طرف جاتی ہے جس دن آپ کے غلام کسریٰ کا تاج اور قیصر کا تخت اپنے پیروں سے روندیں گے اور زمین کے خزانوں کے مالک ہوں گے۔ آپ ﷺ نے اُس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اُس درخشاں روشنی کی پیش گوئی کی اور سراقہ سے ارشاد فرمایا:

> سراقہ! اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے کنگن تم اپنے ہاتھ میں پہنو گے؟

اور حرف بہ حرف اسی طرح ہوا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسریٰ

کے کنگن اُس کا پٹکا اور تاج حاضر کیا گیا تو انہوں نے سراقہ کو بلایا اور اُس کو یہ پہنایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ (۱۳)

ایسی پیش گوئیوں اور مستقبل بینی کی کتنی ہی مثالیں آپ کی حیاتِ طیبہ میں ملتی ہیں۔ غزوۂ خندق میں ایک بڑی چٹان کھدائی کے دوران آ گئی۔ اُس کو صحابہ کرامؓ کی کدالیں راہ سے نہ ہٹا سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ ادا کرتے ہوئے اُس چٹان پر ضرب لگائی۔ ایک شعلہ سا بلند ہوا۔ ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا ''اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں عطا کر دی گئیں۔'' آپ نے پھر ضرب لگائی، پھر شعلہ سا بلند ہوا، ایک تہائی چٹان اور ٹوٹ گئی۔ ارشاد ہوا۔ ''اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دیدی گئیں۔ اللہ کی سوگند، میں مدئین کا قصرِ ابیض اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔'' آپ نے باقی ماندہ چٹان پر ضرب لگائی۔ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر شعلہ بلند ہوا اور آپ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئیں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، میں شہر صنعا کے دروازے اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں''، مستقبل کی اسلامی فتوحات اُس وقت آپ کو دکھا دی گئیں، جب دشمن کی مشترکہ فوجوں سے بچاؤ کے لئے مدینہ کے گرد خندق کھودی جا رہی تھی۔ یہ پیش گوئی بھی سراقہ سے کئے گئے وعدے کی توثیق تھی۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ہم مستقبل بینیٔ نبی اکرم ﷺ کی صرف ایک مثال پیش کریں گے ورنہ ایسی مثالوں کی کمی نہیں۔ ''حدیث جبریل'' میں بلند عمارات کی تعمیر کا ذکر، ''باب الفتن'' میں اُن فتنوں کی نشان دہی جو ہمارے دور میں حقیقت بن کر سامنے آ رہے ہیں۔

بعض اربابِ لغت نبی کا مادہ ''ن ب و'' قرار دیتے ہیں۔ نبو اور نبوۃ کے معانی ہیں بلند ہونا، بلندی حاصل کرنا۔ بلند جگہ کو النبیٔ کہتے ہیں۔ کسی بلندی پر نصب وہ نشان بھی

---

(۱۳) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، نبی رحمت، طبع اول ۱۹۷۸ء کراچی، حصہ اول، ص ۱۶۸، ۱۷۱

نبی ہے جو رہنمائی اور سمت نمائی کے لئے لگایا جائے۔

اس مفہوم کو سامنے رکھئے تو نبی وہ ذات ہے جو کسی بلند مقام پر کھڑا ہو اور لوگوں کی رہنمائی کر رہا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے عام اعلان سے یہ معانی واضح ہو کر ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے تین سال تک اپنے قریبی حلقے، اعزا، دوستوں اور دوستوں کے متعلقین میں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور پھر آپ کو آپ کے رب نے حکم دیا!

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۱۴)

اور تم کو جو حکم ہوا ہے وہ کھول کر (صاف صاف) سنا دو اور مشرکوں کی پروا نہ کرو۔

اس حکم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور بلند آواز میں یہ صدا لگائی یا صباحاہ۔ یہ نعرہ عربوں کے لئے جانا پہچانا تھا اور اُس وقت لگایا جاتا تھا جب کسی دشمن یا غنیم کے حملے کا فوری خطرہ ہوتا۔ یا صباحاہ کا نعرہ سننا تھا کہ قریش کا سارا قبیلہ وہاں جمع ہو گیا۔ اُس وقت آپ اُن سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا!

اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر! اے بنی کعب! اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر کھڑا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم اس بات پر یقین کرلو گے؟

عرب حقیقت پسند اور عملی لوگ ہیں۔ انہوں نے اس شخص میں سچائی، امانت و دیانت اور خیر خواہی کا بارہا تجربہ کیا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے اور پہاڑ کی دوسری طرف بھی اُس کی نظر ہے۔ تو اُن کی ذہانت، انصاف پسندی اور اس امین و صادق مخبر کی اطلاع و خبر نے اُن کی رہنمائی کی اور اُن سب نے کہا کہ ہاں

---

(۱۴) سورۂ حجر، آیت ۹۴

ہم یقین کر لیں گے۔

جب یہ فطری اور ابتدائی مرحلہ طے ہوا اور سننے والوں کے اعتماد و یقین کا علم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

فَاِنِّی نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ O

تو یہ سمجھو کہ میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈرانے اور آگاہ کرنے آیا ہوں جو بالکل تمہارے ہاتھوں کے سامنے ہے۔

یہ دراصل منصب نبوت کی صحیح تعریف اور نشان دہی تھی۔

یہ سنتے ہی مجمع پر ایک خاموشی چھا گئی، لیکن ابولہب نے کہا! تمہارا سارا دن برباد ہو، کیا صرف یہی کہنے کے لئے تم نے ہمیں بلایا تھا۔ (۱۵)

نبوت کے تمام پہلوؤں، اطراف و جوانب اور عظمت کا ایسا مظاہرہ انسانی تاریخ نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، اور یہ مثال، یہ تمثیل پہلی اور آخری بار پیش کی جا رہی تھی، کیونکہ سلسلۂ نبوت پر تکمیل کی مہر کا دوسرا نام محمد تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا کی بلندی پر کھڑے ہیں۔ اُن کے سامنے اُن کی قوم کے لوگ جمع ہیں اور آپ ﷺ کی پشت پر جو کچھ ہے اُسے صرف آپ دیکھ سکتے ہیں اور وہ دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ سامنے عالمِ شہادت ہے اور پیچھے عالمِ غیب، سامنے دنیا ہے اور پیچھے آخرت اس دنیا اور اس کی زندگی کا نتیجہ۔ اور بلندی پر جو ذات جلوہ آرا ہے وہ جس کی نگاہوں کے سامنے جہانِ غیب و شہود کو اُن کے خالق نے اس صاحب مقام بلند کے لئے کتاب کے اوراق کی طرح کھول دیا ہے۔ یہ ابتدائے سفر نبوت کی بات تھی اور اس کے مکی دور کے اختتام پر ہی وہ مرحلہ آیا جب معراج میں جنت اور دوزخ اور تمام زمانے آپ کے سامنے پیش کر دیے گئے، اور اپنے جد اور اُن جلیل القدر

(۱۵) نبی رحمت / ص ۱۲۱-۱۲۲

انبیاءؑ سے آپ کی ملاقات ہوئی جو آپ کے بھائی تھے۔ یہ معراج نبوت و رسالت ہی نہ تھی، معراجِ آدمیت بھی تھی۔ محمدِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے اور وسیلے سے انسان کو اپنے امکانات کی خبر ملی۔

امکان مرے تیری نبوت کی گواہی

تو مطلعِ امکانِ بشر، سیدِ عالم

نبی کی شخصیت کے جو پہلو سب سے پہلے ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ تبشیر و تنذیر ہیں۔ نبی بشیر و مبشر بھی ہوتا ہے اور نذیر و منذر بھی، وہ اپنی قوم پر شاہد بھی ہوتا ہے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری انسانیت پر شاہد ہیں۔ یہ نکتہ بھی پیش کیا جا چکا ہے کہ وہ نبوت کے تسلسل کی تکمیل ہیں اور اقبال کے الفاظ میں تمام رسول اُن کے وجود اور نبوت کے تدریجی مراحل تھے۔

All Prophets were Mohammad in making.

یہ سب نکات اس مطالعے میں اپنے اپنے مقام پر آئیں گے۔ اِس وقت تبشیر و تنذیر پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم قرآنِ عظیم کے ان چند مقامات کو پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں آپ کی رسالت و نبوت اور اِن کے فرائض کا ذکر ہے۔ یہ مراتب و فرائض سارے ہی نبیوں اور رسولوں میں مشترک ہیں، لیکن اِن کی تکمیلی صورت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتی ہے۔

تمام انبیائے کرامؑ کی دعوت کے تین بنیادی نکتے یہ ہیں کہ وہ انسانوں کو بتاتے ہیں کہ انفرادی زندگی اور اجتماعی معاشرے کا مقتدرِ اعلیٰ اس کائنات کا خالق ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ رسول، مقتدرِ اعلیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے، اسی لئے اُس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اور تیسرا نکتہ یہ ہے قانون کا سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ دنیا کے اور معاشروں میں اپنی تنظیم کے بعد معاشرہ اپنی زندگی کو آسان اور محفوظ بنانے کے لئے

قانون سازی کرتا ہے، لیکن انبیائے کرام قانونِ الٰہی لے کر آتے ہیں، اور اُس کے مطابق معاشرے کی شیرازہ بندی کرتے ہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون کے سلسلے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ طاقت ور اور ترجیح یافتہ طبقہ یا طبقات قانون وضع کرتے ہیں اور اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔

ان دنوں آپ ہر وقت خواتین کو برقیاتی ذرائع ابلاغ اور اخبارات و رسائل میں اسی نعرے کو دہراتے ہوئے پاتے ہیں کہ ہم مردوں کی دنیا میں رہنے پر مجبور ہیں اور ہم ان کے چنگل میں گرفتار ہیں۔ اللہ کا قانون کسی طبقے یا صنف کی جانب داری نہیں کرتا بلکہ ہر طبقے کے حقوق کی مکمل ضمانت دیتا ہے۔ یہ تینوں نکات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی قرآنِ حکیم میں پیش کیے گئے ہیں، مگر انہیں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا اعلان سمجھیے!

وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ (۱۶)

اور میں نشانی لے کر تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اللہ سے ڈرو) اور میری اطاعت کرو۔ بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، پس اُسی کی عبادت اور بندگی اختیار کرو۔ یہی صراطِ مستقیم (اور سیدھا راستہ) ہے۔

رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ رسالت کا مقصد ہی انسانیت کے رخ کو اللہ کی اطاعت کی طرف موڑنا اور طاغوت سے نجات دلانا ہے، اسی لئے ہر قوم اور انسانی جماعت کی طرف تاریخ کے مختلف ادوار میں رسول بھیجے گئے، یہاں تک کہ

(۱۶) سورۂ آلِ عمران، آیت ۵۰،۵۱

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے اور ہر دور کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے، اُن کے ذریعے دین اور اللہ کے پیغام کی تکمیل فرمادی گئی اور انسانیت کو کسی نئے پیغام یا نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا وہ لاکھوں کا سہی
اب سے تاحشر جو فردا ہے وہ تنہا تیرا

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (۱۷)

ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا (اور اُس کے ذریعے اُس قوم والوں کو خبردار کیا کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی اطاعت سے بچے رہو۔

مولانا محمود حسن صاحب کا ترجمۂ قرآنِ کریم دراصل حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجے کی شکل جدید ہے۔ انہوں نے طاغوت کا ترجمہ ''ہڑدنگے'' کیا ہے اور حضرت شاہ صاحب نے ہڑدنگے کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا

ہڑدنگا وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے۔ کچھ سند نہ رکھے۔ ایسے کو طاغوت کہتے ہیں۔ بت، شیطان اور زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں۔ (۱۸)

اب اردو میں ہڑدنگے کا لفظ طاغوت کے معانی میں استعمال نہیں ہوتا۔ اب بے سلیقگی، اچھل کود کو ہڑدنگا پن کہتے ہیں، بالخصوص یہ لفظ لڑکیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، مگر اس لفظ میں طاغوت کا بنیادی مفہوم موجود تھا، یعنی اپنی حد سے نکل جانا۔ جب کوئی فرعون، اور کوئی نافرمان قولاً یا عملاً اپنی حدود سے نکل کر خدائی کا دعویٰ کرے تو وہ اپنی حد

---

(۱۷) سورۂ نحل، آیت ۳۶ (۱۸) تفسیر عثمانی / ج ۱، ص ۷۵۷

سے نکل جاتا ہے۔ یہ وہ ہیں جو بندگی کی حدود کو توڑ دیتے ہیں۔ ان کی کم ظرفی اقتدار، دولت اور طاقت کی طغیانیوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ اِن طاغیوں (طاغوت میں مبتلا) کی آج ہمارے معاشرے میں کمی نہیں۔ یہ وہ ہیں جو اللہ کے مقابل اپنی اور اپنے قانون کی اطاعت چاہتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو ''حدود اللہ'' کو ظلم اور فرسودہ قرار دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ہر باطل معبود، ہر باطل نظم، ہر حدود شکن آدمی، ہر بت، اور بتوں کی اطاعت کی طرف بلانے والے۔ یہ سب طاغوت کی حدود میں آ جاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے بہت سے مواقع پر اللہ کے مقابل طاغوت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

انبیائے کرام علیہ السلام کے علم کا منبع اور مصدر اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ انبیاؑ کسی انسان کے شاگرد نہیں ہوتے، وہ تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں۔ بدنصیبی سے الشعرأ تلامیذ الرحمٰن کا محاورہ ہمارے ہاں یوں استعمال ہوتا ہے کہ اُس سے نبوت کی عظمت کو مجروح کیا جاتا ہے، جب کہ صرف یہ کہنا مقصود ہوتا ہے کہ شاعری ایک وہبی چیز ہے اور شاعر پیدائشی ہوتا ہے۔ دوسری طرف انبیا کے ذریعے انسانیت کو دائمی اور ہمیشہ قائم رہنے والی اقدار عطا کی جاتی ہیں، وحی الٰہی کے ذریعے انبیا دنیائے علم کو وہ حقائق عطا کرتے ہیں، جن تک انسان سینکڑوں بلکہ ہزاروں برسوں تک نہیں پہنچ پاتا ہے۔ انسانیت کتنے ہی خساروں کا سودا کر کے سینکڑوں برس کی مدت میں ''مساوات اور یکساں حقوق انسانی'' کی منزل تک آئی ہے اور آج بھی امریکہ جیسا ''ترقی یافتہ'' ''اعلیٰ تعلیم یافتہ'' ''علم و خرد سے مالا مال'' ملک رنگ و نسل کی تفریق سے عملی طور پر نجات نہیں پا سکا ہے۔ غلامی کا خاتمہ آئینی طور پر ۱۸۶۳ء میں ہوا، لیکن سیاہ فام تکریم آدم سے محروم رہے۔ غلامی کے خاتمے کے سو سال کے بعد تک انسانی حقوق اور سماجی مساوات سیاہ فام امریکیوں کا مقدر نہ بن سکی، شہری حقوق کی قانون سازی اِس صدی کے چھٹے عشرے میں ممکن ہو سکی، اور اس کے لئے مارٹن لوتھر کنگ کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ ایک خواب اُس کی آنکھوں میں بسا

ہوا تھا۔ I Have a dream اور آج بھی کوئی دیانت دار امریکی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مساوات کا یہ خواب حقیقت کے پیکر میں ڈھل چکا ہے۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے تک امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں سیاہ فام امریکی شہری، سفید فاموں کے ساتھ ایک بس میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ انتہا یہ کہ سفید فاموں اور سیاہ فاموں کے لئے الگ الگ لانڈریاں ہوتی تھیں، اور کبھی کبھی تو ایک ہی عمارت میں۔ اب یہ صورت حال بدل گئی ہے۔ مگر انسانی رویوں اور معاشرتی برتاؤ میں باقی ہے۔ جون ۹۶ء میں سیاہ فام باشندوں کے کتنے کلیسا جلا دیئے گئے، ''خدا کا گھر'' بھی نسلی امتیاز کا صید زبوں ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ برسوں میں تیس سیاہ فام چرچ جلائے جا چکے ہیں، اور جن کلیساؤں پر حملے کیے گئے ان کی تعداد اسی سے زیادہ ہے۔ (۱۹)

افریقہ تو چند سال پہلے تک نسلی امتیاز کی پالیسی پر گامزن تھا، اور اپنے اس ''فلسفے'' کی ''حرمت'' کی خاطر اس نے کھیلوں اور کئی دوسری انسانی سرگرمیوں میں عالمی سطح پر علیحدگی کو بھی قبول کر لیا تھا۔ نازی جرمنی، نسلی برتری کی علامت تھا اور اسرائیل کی نام نہاد ریاست اور بیشتر یہودی آج بھی اپنے آپ کو برگزیدہ اور اللہ کے منتخب افراد قرار دیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ زبانوں کی صورتِ حال کو سامنے رکھیے۔ لسانی برتری کے زعم نے کئی ملکوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ حال ہی میں کینیڈا اس خطرے کو ٹالنے میں کامیاب ہوا ہے۔ مگر کب تک کے لئے؟ کون کیا کہہ سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین اور دانائے سبل صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس اختلافِ نسل و زبان کی حقیقی نوعیت سے انسانوں کو باخبر کیا کہ ''تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف اللہ کی نشانیوں'' میں سے ہے۔ یہ بات سورہ الروم کی بائیسویں آیت میں

---

(۱۹) The Burning of black churches in United States by Eric Harrison (Published in Dawn, Karachi on June17, 1996, P.13)

ارشاد فرمائی گئی ہے، لیکن اس سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور ہم جنس بیویوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان آیات کے بیان کا آغاز خود انسان کی پیدائش سے ہوا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ O وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ O (۲۰)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تم کو مٹی سے تخلیق فرمایا اور پھر اب تم زمین میں (ہر طرف) پھیلے ہوئے انسان ہو۔ اور اُس کی آیات میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم (اور نفس) سے جوڑے بنا دیئے تا کہ تم اُن کے پاس (سکون اور) چین سے رہو اور اللہ نے تمہارے درمیان مودت و رحمت (پیار اور مہربانی) پیدا کی۔ بیشک اس میں فکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف اُس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ بیشک اس میں جاننے والوں اور علم رکھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

چند بے جان مادوں کی یک جائی سے انسان اور اُس کی ہم جنس کی تخلیق، کرۂ ارض پر اُن کا پھیل جانا اور اُن کے درمیان محبت و مودت کا سلسلہ، یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اور یہ انسانی زبانیں اسی سلسلۂ محبت کو تفکر، اپنے تجربوں کو آنے والی نسلوں تک منتقل

(۲۰) سورۂ روم، آیت ۲۰ تا ۲۲

کرنے اور تمام انسانی کمالات کے حصول کا وسیلہ ہیں۔ پھر رنگوں کی وہ بوقلمونی جو جمالیات کی ایک دنیا اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ یہ سب تو کثرت میں وحدتِ انسانی کے جلوے ہیں۔ اسی حقیقت کو ہادیٔ نوعِ بشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں کس قوت سے پیش کیا کہ رنگ ونسل اور جغرافیائی تمیز کے سارے بت پاش پاش ہو گئے، وحدتِ آدم کی حقیقت آیت کبریٰ بن کر چمک اُٹھی۔

اے انسانو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے اور تعارف کے لئے شعوب و قبائل پیدا کر دیئے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ صاحبِ عزت وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے (تقویٰ ہی باعثِ فضیلت ہے)، انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔ (۲۱)

یہ انسان کی تکریم وکرامت اور اس کی فضیلت کی دستاویز ہے اور تکریم آدم کا عظیم منشور قرآنِ عظیم کے یہ چار الفاظ ہیں!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (۲۲)

اسلام نے انسان کو آدم کے حوالے سے مساوات، کرامت اور سربلندی کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دیا اور انسان وحی الٰہی سے منہ موڑ کر اپنی عقل کے ذریعے اب کہیں جا کر ''بین الاقوامیت'' کی منزل تک پہنچا ہے۔ ''آفاقیت'' اور ''وحدتِ آدم'' کی منزل بہت دور ہے اور اُس تک صرف وحیٔ الٰہی اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے

---

(۲۱) تھوڑے فرق آسے یہ الفاظ اہم کتب حدیث میں ذکر ہوئے ہیں، دیکھئے ترمذی/ج ۵، ص ۷۱۹۔ رقم ۳۲۸۱ (۲۲) سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۰

ذریعے ہی پہنچا جا سکتا ہے۔

مکہ نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیتِ آدم؟

یہ چند باتیں اس حقیقت کے بیان کے سلسلے میں عرض کی گئی ہیں کہ انبیائے کرام تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ وہ علم کے حصول کے سلسلے میں کسی اور کے مرہونِ منت نہیں ہوتے۔

نبوت و رسالت، قرآنِ حکیم کے بنیادی اور مرکزی موضوعات میں سے ایک ہے، کیونکہ رسول ہی اللہ اور انسانوں کے درمیان وسیلہ اور رابطہ ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین اور دعوت ایک ہی تھی۔ جزوی فرق وقت اور مکان کے مطابق تھا، یہاں تک کہ اللہ کا دین مکمل ہوگیا۔ تمام انبیائے کرام کا طریقہ دعوت بھی یکساں تھا۔ وہ وحی الٰہی کو ماننے والوں کو مطمئن اور کامیاب زندگی اور قیامت کے بعد ابدی زندگی میں جنت کی بشارت دیتے، نافرمانوں کو اِس دنیا میں خسران و نامرادی اور آخرت کے بعد جہنم کے عذاب سے ڈراتے۔ انبیائے کرام اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث کیے جاتے اور اپنی ہی زبان میں اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے۔ اُن تمام انبیا پر اُن کی قوم والوں نے ایک سے اعتراض کیے۔ یہ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے ہیں، بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، اِن کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں ہم رکاب نہیں۔

اِن رسولوں کو اِن کی قوموں نے ساحر، مسحور اور شاعر کہا۔ بات یہ ہے کہ وہ رسول اور رسالت کی نوعیت کو سمجھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اُن کے لئے تو شعبدہ گروں، جادوگروں اور کاہنوں میں بڑی جاذبیت تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ اِن میں سرکشی تھی۔ یہ انبیا کا مذاق اڑاتے ہوئے اُن سے عذاب کا مطالبہ کرتے اور جب آسمانوں سے عذاب

نازل کیا جاتا، یا ان کے قدموں کے نیچے زمین لرز لرز اٹھتی یا ایک آواز، ایک صاعقہ، ایک چنگھاڑ انہیں افسانہ اور قصہ ماضی بنا دیتی تو وہ آنے والوں کے لئے عبرت کا نشان بن جاتے، اور اُن کی معذب بستیاں آج تک نگاہِ عبرت رکھنے والوں کے لئے نشانِ راہ ہیں۔

انبیائے کرام علیہ السلام کے دل انسانیت کے درد کا خزینہ ہوتے تھے، کافروں کی ہدایت طلبی میں اُن کی راتیں گریہ وزاری کرنے میں گزر جاتیں، ان کو جو دکھ پہنچاتے انبیائے کرامؑ اُن کے لئے سعادت اور ایمان کی دعائیں کرتے، سلسلہ رُسل سلسلہ ذہب ہے یا عظیم ترین انسانی موتیوں کا جاوداں ہار۔ نبوت و رسالت کے مختلف پہلو آنے والے صفحات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پیش کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ یہ تمام پہلو موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ہم آغوش ہیں، اس لئے ان کے ذکر میں بیان کی وہ ترتیب نہیں. ہوگی جو ہم ادنیٰ لکھنے والے عام طور پر قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید یہ بات ہم نے کہیں عرض کی ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور مرتبہ کے بیان میں قرآنِ حکیم کی ترتیب کا اتباع کریں گے۔ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ آپ کی صفات کی تکرار ہمیں البقرہ سے قرآنِ حکیم کے آخر تک ملتی ہے اور سیاق وسباق کے بدلنے سے یہ تکرار نئے نئے پہلوؤں اور مطالب کو سمیٹ کر ایک جہانِ نو کی تخلیق کرتی ہے۔

تنذیر و تبشیر

نبی جب اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتا ہے تو وہ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو دونوں جہانوں میں فوزِ کبیر، نجات، نفسِ مطمینہ کی بشارت دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اللہ کے احکام کی تقلید اور نبی کے اتباع سے یہی دُنیا جنت کا دیباچہ بن جاتی ہے، اہلِ ایمان خوف اور حزن سے بلند تر ہو جاتے ہیں، اُن کا وجود دُنیا کے لئے ابرِ رحمت بن کر نشو ونما کا سبب بنتا ہے اور پھر اُن کے لئے آنے والی دنیا کا نام جنت ہے۔

انبیائے کرام کی دعوت میں ابتداً تنذیر کا رُخ نمایاں تر ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک لوگ شرک، دینِ آبا اور اپنے رسم و رواج کو ترک نہیں کریں گے نئے راستے پر آغازِ سفر نہیں کر سکتے اور نئے راستوں کو اپنانے والے ہی بشارتوں کے مستحق ٹھہریں گے۔

اردو میں نذر کا لفظ استعمال ہوتا ہے، لیکن مختلف معنی میں، اگرچہ وہ معنی بھی اس لفظ کے بنیادی مفاہیم میں شامل ہیں۔ آپ جب نذر مانتے ہیں تو کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں جو چیز آپ پر لازم اور واجب نہیں تھی۔ نذر ماننے کے بعد آپ کو وہ کچھ کرنا ہوتا ہے جو اُس نذر سے وابستہ ہو اور اُس سے پہلوتہی اور روگردانی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ رسالت و نبوت کے حصول کے بعد اللہ تعالیٰ تنذیر کو نبی پر واجب کر دیتا ہے اور یوں وہ اپنی قوم کو اس کے طرزِ حیات، گمراہیوں اور گناہوں کے سلسلے میں خبردار اور

آ گاہ کرتا ہے اور اُن کے عواقب و نتائج سے ڈراتا ہے۔

''ڈرانے'' کا عمل کئی پہلو اور سطحیں رکھتا ہے۔ اگر آپ کسی چیز کی مضرتوں سے پوری طرح واقف نہیں ہیں تو اُس سے کس طرح ڈرا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ منصب نبوت پر فائز کرتے ہی نبی کو وہ علم عطا کرتا ہے کہ کفر و ظلمت کی ہر تاریکی اُس پر روشن ہو جاتی ہے۔ اُس کی قوم والوں کے لئے اپنے انداز زندگی پر متنبہ ایک نئی چیز ہوتا ہے، کیونکہ دین آبا کو وہ ایک حقیقت کے طور پر اختیار کر لیتے ہیں اور اُس کے بارے میں سوچتے نہیں۔ نبی اُن کو متنبہ کرتا ہے کہ موت آنے سے پہلے آنے والی زندگی کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لو۔ فوج کے ہراول دستے کو ''نذیرۃ الجیش'' کہا جاتا ہے جو دشمن کی نقل و حرکت سے فوج کو خبردار کرنے کے لئے لشکر سے آگے آگے رہتا ہے اور دشمن کے ممکنہ اقدام کے مشاہدے کی کوشش کرتا ہے۔(۱)

رسول کے سامنے دونوں دنیائیں ہوتی ہیں۔ وہ ایسے مقامِ بلند پر ہوتا ہے کہ ہر منظر اُس کے سامنے کھلے ہوئے ورق کی طرح ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی دنوں تک اپنے نہایت قریبی اور معتمد لوگوں تک تبلیغ اسلام کو محدود رکھا اور پھر وہ مرحلہ آ گیا جب رب العزت جل جلالہٗ نے حکم دیا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ O (۲)

اور آپ قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دیں (اور انہیں متنبہ کر دیں)۔

اس حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ نے صفا کی بلندی سے قریش والوں کو آواز دی۔ اُس پہلی دعوت کا ذکر احادیث کے مجموعوں میں موجود ہے۔ اِن مجموعوں کے ایک باب کا عنوان ہی باب الاِنْذَارِ والتحذیر ہے۔(۳) بخاری شریف اور مسلم شریف میں

(۱) لوئیس معلوف/ المنجد، ص ۸۶۸ (۲) سورۃ الشعراء، آیت ۲۱۴ (۳) مشکوۃ/ ج ۳، ص ۶...

حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے اور آپ ﷺ نے پکارنا شروع کیا، ''یا بنی فہر''، ''یا بنی عدی'' اور یوں ہی قریش کے قبیلوں کو پکارتے رہے یہاں تک کہ سب جمع ہوگئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم کو خبر دوں کہ وادی میں ایک لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری اس بات کو سچ مان لوگے۔ اہل قریش نے کہا ہاں کیونکہ ہم کو سچ کے علاوہ تم سے کسی بات کا تجربہ نہیں (یعنی ہم نے تمہارے منہ سے سچ کے سوا کچھ نہیں سنا)۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے نذیر بن کر آیا ہوں اور عذابِ شدید کے واقع ہونے سے پہلے تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ اس پر ابولہب نے کہا کہ تمام دن تم پر ہلاکت مسلط ہو۔ کیا اسی بات کے لئے تم نے ہمیں جمع کیا تھا۔ اُس کی اس بات پر یہ سورہ نازل ہوئی: تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ

اور ایک روایت میں ہے آپ نے آواز دی:

اے بنی عبدِ مناف میری اور تمہاری مثال اُس شخص جیسی ہے جس نے دشمن کو دیکھ لیا اور وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لئے چلا۔ اُسے خوف ہوا کہ دشمن سبقت نہ لے جائے اور وہ چلایا، یا صباحاہ۔ (۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پہلی دعوت عام، یہ تنذیر اور یہ ڈراوا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اِس سے وہ سلسلۂ تنذیر وتبشیر شروع ہوا جس نے کائنات کو ایک نئی روح اور عہد عطا کیا۔ یہی سبب ہے کہ اُس کی اور تفاصیل بھی محفوظ ہیں۔ آپ نے تعیم اور تخصیص، دونوں سے کام لیا۔ ایک طرف آپ نے قریش کے قبیلوں سے خطاب فرمایا اور دوسری طرف اپنے قریبی عزیزوں اور پیاروں سے خطاب فرما کر یہ حقیقت واضح کی کہ عذاب

(۴) ایضاً

سے صرف ایمان اور اعمالِ صالح ہی نجات دلا سکتے ہیں۔ مسلم کی حدیث ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اپنے قریبی رشتے داروں کو (آنے والے عذاب سے) ڈراؤ) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا اور اس سلسلے میں آپ نے تعمیم اور تخصیص سے کام لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> اے بنی کعب بن لوی! اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۔ اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپ کو آگ سے بچالو۔ اے بنی عبد شمس اپنے نفس کو آگ سے بچالو۔ اے بنی عبد مناف! اپنے آپ کو آگ سے بچالو۔ اور اے فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچالے، کیونکہ میں تمہارے لئے اللہ کے ہاں حق قرابت کے سوا کسی چیز کی ملکیت نہیں رکھتا۔ (۵)

اور متفق علیہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> اے گروہ قریش! (ایمان کے عوض) اپنی جانوں کو خرید لو (اور اپنے آپ کو نجات دلادو) کیونکہ میں اللہ کے عذاب میں سے کوئی چیز تم سے دور نہیں کرسکتا۔ اور اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے (کسی قہر سے) تمہیں بچا نہیں سکتا۔ اور اے عباس بن مطلب! میں اللہ کے ہاں تمہیں کسی چیز سے مستغنی نہیں کرسکتا۔ اور اے صفیہ! اللہ کے رسول کی پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا اور اے فاطمہ! محمد ﷺ کی بیٹی! تم میرے مال سے جو چاہو مانگ کر لے سکتی ہو لیکن میں اللہ کے ہاں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ (۶)

---

(۵) مسلم (۶) حوالہ سابقہ

خوش خبری سے پہلے ڈراوا۔ یہ منطقی ترتیب ہے۔ ایک نئے طرزِ حیات کو اپنانے اور نئے تصورات کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے سے پہلے یہ لازم ہے کہ آدمی اپنی غلط روشِ زندگی سے نجات پالے۔ اور باطل تصورات و خیالات کو ترک کر دے، تاکہ دل و دماغ نئے نظامِ اقدار و تصورات کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مختلف قبیلوں سے خطاب کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے چچا، اپنی پھوپھی اور اپنی بیٹی کو خاص طور پر مخاطب فرمایا، تاکہ اس نئے مگر آخری پیغام کو سننے والوں کو سنتِ الٰہی سے آگہی حاصل ہو سکے اور وہ جان لیں کہ اللہ کی سنت میں کسی کی خاطر کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ اُس کے حضور کوئی رشتہ ناتا کام نہیں آتا بلکہ اعمال وعقائد کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں۔

دوسری تفصیلات پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ انذار کا اثر ''دلِ زندہ'' ہی قبول کرتا ہے۔ وہ افراد اور وہ گروہ جو اپنی غلط روش کو بدلنا نہیں چاہتے ہدایت اور فلاح سے انہیں حصہ نہیں ملتا۔ یہ درست ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے، مگر انسان کو ربِ جلیل نے عقل، ارادہ اور قوتِ تمیز عطا کر دی ہے، اور جو راہِ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اُن کے راستے روشن کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف ایک قدم چلتے ہیں تو اللہ ان کی طرف دس قدم چلتا ہے۔ مگر جو ابولہب کی طرح اپنی گمراہی پر فخر کریں اُن کی شقاوت اُن کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ اُن کے لئے ربِ کائنات کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ O خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O (۷)

---

(۷) سورۂ بقرہ، آیت ۶۔۷

بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اُن کے لئے برابر ہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی اور اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یہ اُنہیں کافروں کا ذکر ہے جو لاعلمی کی وجہ سے اللہ، اُس کے کلام اور رسولوں کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ جنھوں نے شعوری طور پر کفر کو اختیار کیا۔ وہ جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہیں۔ سورۃ البقرہ اور قرآنِ حکیم کے کئی مقامات میں ایسے کافروں کا ذکر ملتا ہے۔

اِن دونوں آیات پر غور کیجئے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ مقصودِ کلام ایسے کافروں کے کفر کے اظہار سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے۔ محمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب مظہر رحمت ورافت کا سرچشمہ اور انسانی محبت کا سمندر تھا۔ آپ ﷺ حق سے گریزاں افراد کی ہمدردی میں راتوں کو جاگتے رہتے، اُن کے لئے دعا کرتے اور اُن کے لئے آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور بالخصوص رحمۃ للعالمین کے انذار اور ڈراوے کی بنیاد، آپ ﷺ کی محبت و شفقت تھی۔ نذیر میں بشیر کا پہلو بھی موجود ہے۔ نذیر اپنی محبت اور شفقت کی بنیاد پر لوگوں کو اُن کے غلط طرزِ حیات سے ڈراتا ہے۔

سورۃ الفرقان میں رب کریم نے ایک بڑے پس منظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور انذار و تبشیر کے مرحلوں اور معانی کو پیش فرمایا ہے۔ جس طرح زمین مردہ کو ہواؤں اور بارشوں کے ذریعے زندگی عطا کی جاتی ہے، اسی طرح انسانیت کے باغ کے لئے رسول بشارت دینے والی ہواؤں اور پاک پانی کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن جو کفر و طغیان کو اپناتے ہیں وہ اس مشاہدے اور ان مثالوں سے بھی ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ ان ناشکروں کا مقابلہ جہاد اور

التقامت سے کیجئے اور ان پر یہ حقیقت واضح کر دیجئے کہ میری یہ جدو جہد کسی اجر کی محتاج
نہیں۔ میں کسی سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو یہی ہے کہ لوگ اپنے رب کا راستہ
اختیار کرلیں۔ اور یہ بات خالق کائنات نے اس وقت فرمائی جب پورے عالمِ انسانیت
کے لئے ایک نذیر آ چکا تھا۔ وہ نذیر جو ہر دور اور ہر قوم کے لئے آیا۔ مختلف قوموں کے
لئے نذیر بھیجنے کا دور گزر چکا تھا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا O فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ
وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا O وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ
هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا
بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا O (۸)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک نذیر اور ڈرانے والا مبعوث کر
دیتے۔ پس اے نبی ﷺ! ان کافروں کی بات نہ مانو، اور اس
قرآن کے ساتھ ان کے خلاف جہادِ کبیر کرو۔

اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے۔ ایک میٹھا پیاس
بجھانے والا اور دوسرا کھاری، کڑوا اور دونوں کے بیچ ایک پردہ
ہے اور اس آڑ نے انہیں گڈمڈ ہونے سے روکا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہر بستی کے
لئے، ہر قوم کے لئے مختلف ادوار میں نذیر بھیجے، مگر اب تاریخ کا وہ عہد آ گیا کہ انسانیت
کے لئے اللہ کے پیغام کی تکمیل ہر زمین اور ہر زماں کے لئے کر دی جائے۔

اور اب نذیر کامل کے فرائض بہت وسیع اور سنگین تھے۔ ان فرائض کا تقاضا
''جہادِ کبیر'' تھا۔ الفرقان مکی سورہ ہے اور اُس وقت تک جہاد بالسیف کا حکم نہیں آیا تھا، اس

(۸) سورۂ الفرقان، آیت ۵۱ تا ۵۳

لئے یہاں جہاد کا لفظ انتہائی جدو جہد کے معانی میں ارشاد کیا گیا ہے۔ جہد کے لفظ میں وسعت، طاقت اور تکلیف و مشقت کی انتہائی حدود کے مفاہم شامل ہیں، اور اس جہاد اور جدو جہد کے لئے آپ کو وہ ہتھیار عطا کیا گیا جس نے فاروقِ اعظم جیسے انسان کی تقدیر کو دگرگوں کر دیا، اور جس نے پہاڑوں کوز میں بوس کر دیا، جاھدھم بہ میں بہٖ کا مرجع قرآنِ حکیم ہے۔ ''جہادِ کبیر'' میں انسانی کوشش و مشقت کا ہر پہلو آ جاتا ہے۔ آپ ﷺ کو حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ قرآنی حقائق کو پیش کرو اور اپنے تمام ذرائع، صلاحیتوں اور وسائل کو تنذیر کے کام میں صرف کرو، مگر تمہارا حقیقی اور عظیم ترین وسیلہ قرآن حکیم ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہر محاذ پر اُس محاذ کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق اپنے وسائل کا استعمال کرو۔ اِس آیت میں جہاد بالسیف کے امکان کی طرف بھی اشارہ ہے جو مدینہ منورہ کے دور میں حکمِ ربانی کی صورت سامنے آیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ کافروں کی بات نہ ماننا، اپنے نبی کو فتح کا یقین دلا دیا۔ پھر ذکر دو سمندروں کا آیا ہے۔ میٹھے پانی کا ذخیرۂ آب، اور کھاری پانی کا ذخیرہ۔ یہ دونوں ایک ساتھ موجود ہیں اور آبِ شور اپنے حجم اور وسعت کے باوجود آبِ شیریں کو اپنے آپ میں گم نہیں کر سکتا۔ راقم الحروف نے چین میں دو دریاؤں کو ایک دوسرے سے یوں ملتے دیکھا ہے کہ اُن کی درمیانی آبی لکیر اور تقسیم کرنے والا خط صاف نظر آتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ نے اپنی تفسیر میں بنگال اور دوسرے مقامات کی مثالیں دی ہیں۔(۹) جغرافیائی حقیقت یہ ہے کہ جہاں دو دریا ملتے ہیں وہاں یہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سمندروں میں میٹھے پانی کے چشمے موجود ہوتے ہیں، لیکن ان آیات اور ان کے معنوی ربط پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانی معاشرے کا ذکر ہے۔ وہ جو باطل پرست ہیں کھارے پانی کے سمندر کی مثال ہیں اور اہلِ ایمان شریں

(۹) علامہ شبیر احمد عثمانی / تفسیر عثمانی / دارالاشاعت کراچی ۹۳ء / ج ۲ / ص ۲۱۱

چشمۂ آب کی طرح ہیں، اور اِس شریں ذخیرۂ آب پر کھارے پانی کا سمندر غالب نہیں آسکتا۔ اللہ کی قدرت، اُس کا قانون اور اُس کا بھیجا ہوا نذیر (رسول) اِن دونوں کے درمیان عظیم آڑ اور رکاوٹ ہے، اور آگے بڑھ کر قانونِ الٰہی کے تحت کھارے پانی کی سرحدیں سمٹتی جاتی ہیں اور میٹھا پانی (ایمان) نئی نئی وسعتوں سے آشنا ہوتا جاتا ہے۔

رسالت کے اِس پہلو (انذار، تنذیر) کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیا کے حوالے سے قرآنِ حکیم میں مسلسل آیا ہے اور سیاق وسباق کی تبدیلی کے ساتھ تنذیر کے مفہوم ومعانی کی ایک دنیا ہمارے سامنے آتی چلی جاتی ہے۔ چند مقامات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ یہ نکتہ قارئین پر واضح ہوسکے۔ اختصار اور اپنی تنگ دامانی کی وجہ سے تفاصیل کو پیش کرنا ممکن نہ ہوسکے گا۔

اَوَ لَمْ یَتَفَکَّرُوْا سکتہ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ (۱۰)

اور کیا اِن لوگوں نے کبھی سوچا نہیں کہ ان کے رفیق پر جنون کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ تو صاف صاف انداز میں (ان کے غلط اسلوبِ حیات اور برے انجام پر) ڈرانے والا اور آگاہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو اُن کی قوموں ہی میں پیدا کیا اور مبعوث فرمایا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش میں پیدا ہوئے اور قریش ہی آپ ﷺ کے مخاطبِ اوّل تھے (اور پھر آپ ﷺ کے پیغام نے ہر زمان اور ہر مکان اور ہر قوم کو اپنے دائرے میں لے لیا)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی قوم نے امین کہا، صادق کہا، اُن کی قوتِ فیصلہ اور انصاف کے پیشِ نظر اُن کو اپنا حکم بنایا، لیکن جب آپ ﷺ نے توحید، مساوات اور آخرت کی تعلیمات پیش کیں تو آپ ﷺ کو مجنوں کہنے لگے اور یہ بات مطلق

(۱۰) سورۃ الاعراف، آیت ۱۸۴

فراموش کردی کہ یہی وہ آنکھ ہے جو اُن کے لئے راتوں کو جاگتی اور اُن کی ہدایت کے لئے آنسو بہاتی ہے، یہی وہ قلب ہے جو اُن کے لئے محبت اور ہمدردی کا سمندر ہے۔ اس رشتے کو قرآنِ حکیم نے ایک لفظ کے ذریعے پیش کر دیا۔ ''صاحب''۔ اس لفظ کے مادے ص ح ب میں مستقل وابستگی اور ساتھ رہنے کا مفہوم بنیادی معنی کے طور پر موجود ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اِس میں زمانہ طویل کا معنوی پہلو بھی موجود ہے۔ صاحب کے لفظ میں تکریم کا پہلو بھی موجود ہے۔ صاحب کے ساتھ مستقل طور پر رہنے والے اُس کے مصاحب، صحابی اور اصحاب کہلاتے ہیں۔ ویسے قواعد کے طور پر اصحاب کا لفظ صاحب کی جمع ہے، لیکن جب صاحب واحد استعمال ہوتا ہے تو اس کے معانی میں تعظیم کا رُخ نمایاں ہو جاتا ہے۔ (۱۱)

ہر رسول اپنی قوم کی ہمدردی اور محبت کی مثال ہوتا ہے، اور اسی ہمدردی اور محبت کے تقاضے کے طور پر وہ وحی الٰہی کی روشنی میں اپنی قوم کو اُن کے اعمال کے نتیجے سے خبردار کرتا ہے اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے تنبیہ میں تو اُن کے قلب کی شفقت اور ہمدردی کے ساتھ اس کائنات کی شہادت بھی شامل تھی۔ آپ نے قریش کو دعوت دی کہ ذرا زمین و آسمان کے نظم پر غور کرو، تخلیقات کے تنوع کو دیکھو، مناظرِ حیات و کائنات پر نظر ڈالو۔ ان میں سے ہر چیز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تنذیر کی شہادت ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۲)

---

(۱۱) سورۂ توبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے صاحب کا لفظ استعمال ہوا ہے، (آیت ۴۰) جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مرتبہ صدیق کو اپنی سند عطا فرما دی۔

(۱۲) سورۂ الاعراف، آیت ۱۸۵

کیا انہوں نے نظر نہیں کی (ہماری) آسمانوں اور زمین کی سلطنت
میں اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے ہر چیز سے، اور کیا انہوں نے یہ
بھی نہیں سوچا کہ شاید قریب آ گیا ہو اُن کی مہلت زندگی پوری
کرنے کا وقت۔ اور پھر رسول ﷺ کی اس تنبیہ کے بعد وہ کون سی
بات ہو سکتی ہے، جس پر یہ ایمان لائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو دلیلیں قائم فرمائی ہیں۔ اور دو حقائق پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

اوّل اللہ تعالیٰ کی مخلوقاتِ آسمان و زمین اور اُن کے درمیان کی بے شمار مصنوعاتِ عجیبہ میں غور و فکر، دوسرے اپنی مدتِ عمر اور فرصتِ عمل پر نظر۔

ذرا گہری نظر کرنے والے کے لئے تو عالم کا ذرہ ذرہ قادرِ مطلق اور حکیمِ مطلق کی حمد و ثنا کا تسبیح خواں نظر آنے لگتا ہے۔ اور اپنی مدتِ عمر میں غور و فکر کا یہ نتیجہ ہے کہ جب آدمی یہ سمجھ لے کہ موت کا وقت معلوم نہیں کب آ جائے تو ضروری کاموں کے پورا کرنے میں غفلت سے باز آ جاتا ہے۔ موت کا استحضار ہی وہ چیز ہے جو انسان کو بہت سے جرائم سے بچنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ (۱۳)

ان دو آیات سے نذیر مبین صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق انذار سامنے آ جاتا ہے۔ آپ کا ڈرانا، قوم کے لئے آپ کی انتہائی شفقت اور محبت کا نتیجہ ہے اور یہ شفقت آپ کے انداز سے پوری طرح آشکار ہے۔ وہ اسلوب اور انداز جو آپ ﷺ کے رب نے آپ کو عطا کیا وہ قرآنِ حکیم کے اُس اسلوب کا حصہ ہے، جس کو جامعیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور جس میں کلام و استدلال کا ہر وہ رنگ موجود ہے جو انسانوں کو اور اُن کے فکر و نظر کی دنیا کو بدل سکتا ہے، کیونکہ انسان کے خالق سے زیادہ انسان کو کون سمجھ سکتا ہے۔

---

(۱۳) مفتی محمد شفیع / معارف القرآن / ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۷۶ء / ۴/ ص ۱۳۸_۱۳۹

قرآنِ مُبین میں نذیر کے ساتھ مُبین کی صفت دس آیات میں استعمال ہوئی ہے۔(۱۴) قرآنِ کریم سے ہر حقیقت واضح ہو کر اور کُھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ حق و باطل کے درمیان کوئی شبہ اور شک باقی نہیں رہتا۔ بیان کے معانی ہیں کسی چیز کا واضح ہو کر سامنے آجانا، ہر اہم پہلو کا کُھل جانا۔ قرآنِ مجید کتابٌ مبین ہے، جس نے ہر حقیقت کو انسان کے سامنے پیش فرما دیا۔ وہ حقائق بھی جو انسان کے علم، ادراک اور احساس سے ماوراء ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اور دوسرے انبیائے کرام) نے وحی الٰہی کی روشنی میں اٹل اور محکم حقائق سے انسان کو روشناس کیا۔ رسولِ مُبین، کتابِ مُبین لے کر آیا اور ہمارے ذکر و فکر، ذہن و عمل کی راہیں واضح ہو کر سامنے آ گئیں اور یوں ہی قیامت تک روشن رہیں گی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں حقائق کی یہ وضاحت اُن کے کردار کی شفقت سے ہم آہنگ ہو گئی۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَقُلْ اِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ○ (۱۵)

اور اپنے بازوؤں کو اہلِ ایمان کے لئے بچھا دیجئے اور کہہ دیجئے کہ میں تو صاف صاف انداز میں تنبیہ کرنے اور خبردار کرنے والا ہوں۔

وَاخْفِضْ جناحک یہ اہلِ عرب کا محاورہ ہے۔ قرآنِ حکیم کے ان الفاظ کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا گیا ہے کہ ''اپنے آپ کو جھکا دیجئے۔'' ہم نے مفہوم کی ادائیگی کے لئے ''جناح'' کے لفظ کو اہمیت دی ہے۔ جناح ہاتھ، بازو اور پرندے کے بازو اور پر کو کہتے ہیں۔ پرندے اور بالخصوص مُرغی خطرے کے وقت اپنے بچوں کو پروں میں سمیٹ لیتی

(۱۴) ملاحظہ کیجئے، محمد فواد عبدالباقی / المعجم المفہرس، داراحیاء التراث العربی، بیروت / ص ۲۹۲

(۱۵) سورۃ الحجر، آیت ۸۸،۸۹

ہے۔ پر اور باز و حفاظت اور تحفظ کی علامتیں ہیں۔ انت فی جناحی اگر کوئی یہ بات دوسرے سے کہے تو اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ ''تم میری حفاظت میں ہو۔'' لفظی ترجمہ تو یہ ہوگا کہ تم میرے پروں پر ہو۔ قرآن حکیم کے ان لفظوں میں نبی اور اُمت کا رشتہ سمٹ آیا ہے۔ ایک اور بات بھی سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ نبی کی تنذیر مسلمانوں کی حفاظت کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ وہ اپنے تنبیہ کے ذریعے اہل ایمان کو دُنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچالیتا ہے اور حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری انسانیت کے لئے اور سارے زمانوں کے لئے نذیرِ مبین بنا کر بھیجے گئے۔ رسالت اُن پر ختم ہوئی، اللہ کا آخری پیغام قرآنِ حکیم کی صورت میں محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کی زبان سے انسانیت کے نام اپنے اس پیغام کو قرآنِ حکیم کے ذریعے محفوظ فرما دیا۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌۚ (۱۶)

اے رسول کہہ دو کہ اے انسانو! میں تو تمہارے لئے نذیر مبین ہوں۔ کھول کر اور واضح طور پر ڈرانے والا۔

نذیر کی مکمل معنویت اس سیاق و سباق میں اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ رسول کا کام غلط اندازِ زندگی پر متنبہ کرنا ہے اور عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ نافرمان اور سرکش قومیں اپنے رسولوں سے عذاب نازل کرنے کی فرمائشیں کرتی تھیں اور یہ تمسخر و استہزا اُن کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا، خود قریش مکہ ٹھٹھول کرتے اور رحمۃ للعالمین ﷺ سے کہتے کہ تمہارا وہ عذاب کہاں ہے جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین کے انسانیت کے لئے نذیر مبین ہونے کے اس ''اعلان'' سے پہلے آیت نمبر ۴۲ سے آیت نمبر ۴۸ تک ایک ایسا منظر نامہ پیش فرمایا ہے کہ نبوت اور منکرینِ نبوت کی ساری تاریخ اُس میں سمٹ آتی ہے۔ مشرکین مکہ اپنے تجارتی سفر میں ماضی کی معذب

(۱۶) سورۃ الحج، آیت ۴۹

بستیوں سے گزرتے تھے، مگر اس دنیا میں اس درجہ غرق اور گم تھے کہ ہدایت و عبرت کے نشانات اُن پر روشن ہی نہیں ہوتے تھے۔ اب ذرا یہ جاوداں تصویر ملاحظہ ہو:

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (۱۷)

اور اے رسول! اگر یہ آپ کی تکذیب کریں اور آپ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے نوحؑ، عاد اور ثمود کی قومیں اور ابراہیمؑ اور لوطؑ کی قومیں اور مدین کے لوگ اپنے رسولوں کی تکذیب کر چکے ہیں (اور مصر کے قبطیوں نے) موسیٰؑ کی تکذیب کی۔ پر میں نے منکروں کو ڈھیل دی اور پھر ان کو پکڑ لیا، تو کیا ہوا، اور کیا حشر ہوا منکروں کا۔ کتنی ہی خطا کار بستیاں تھیں جنہیں ہم نے تباہ (اور تہ و بالا) کر دیا، اور آج

(۱۷) ایضاً، آیت ۴۲ تا ۴۸

وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں، کتنے ہی کنوئیں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ (۱۸) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں (کیا انہوں نے اللہ کی زمین پر مشاہدہ نہیں کیا) کہ اِن کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے (اور اِن نشانیوں سے وہ سچ کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیتے) حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ اے نبی! یہ لوگ (تمسخر کرتے ہوئے) عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا (عذاب اپنے وقت پر آ کر رہے گا)، مگر تمہارے رب کے ہاں ایک دن تمہارے شمار کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ کتنی ہی بستیاں ہیں جو گنہگار اور ظالم تھیں، میں نے پہلے انہیں مہلت دی اور پھر انہیں پکڑ لیا اور سب کو واپس تو میرے پاس ہی آنا ہے۔

اور اقوامِ سابقہ کے اِس ذکر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نذیرِ مُبین ہونے کا اعلان انہیں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے کرایا۔ قریش اپنے مال و متاع، اپنے بازاروں، اپنے میلوں اور اجتماع گاہوں کی رونقوں پر نازاں تھے۔ لمحہ موجود کی چمک دمک نے اُن کے سینوں کو بے نور اور دلوں کو اندھا کر دیا تھا۔ اور اُن میں اتنا شعور کہاں تھا کہ وہ سمجھ سکتے کہ قیامت کا ایک دن اپنے شدائد اور ہولناکیوں میں ہزار سال کے برابر ہوگا۔

---

(۱۸) علامہ شبیر احمد عثمانی / تفسیر عثمانی / کنویں جن پر پانی کھینچنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی، آج ان میں کوئی ڈول پھانسنے والا نہ رہا اور بڑے بڑے پختہ، بلند، عالی شان، قلعی چونے کے محل ویران کھنڈر بن کر رہ گئے، جن میں کوئی بسنے والا نہیں۔

اس تنذیر کا دامن تبشیر سے بندھا ہوا ہے۔ وہ جو حقائق کو دیکھ سکیں، تاریخ کی شاہراہ پر اپنے پیش رووں کے نقوشِ پا اور انجامِ سفر سے عبرت حاصل کر سکیں، اُن کے لئے مغفرت بھی ہے اور رزقِ کریم بھی۔ ہم یہ بات پہلے عرض کر چکے ہیں کہ خوش خبری سے پہلے ڈراوا یہ منطقی ترتیب ہے۔ ایک نئے طرزِ حیات کو اپنانے اور نئے تصورات کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے سے پہلے یہ لازم ہے کہ آدمی اپنی غلط روش زندگی سے نجات پالے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نذیر مبین ہونے کے اعلان سے پہلے تباہ شدہ بستیوں اور محلوں کا ذکر کیا گیا۔ اور آپ کو خبردار اور آگاہ کرنے والا کہنے کے بعد فرمایا گیا:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (۱۹)

پھر جو ایمان لائیں گے اور اعمالِ صالحہ کو اپنائیں گے اُن کے لئے مغفرت (بھی ہے اور رزقِ کریم بھی) اور جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی اور پست کرنے کی کوشش کریں گے وہی جہنم والے ہیں۔

نذیر کو قرآنِ حکیم مُنذر بھی کہا ہے۔ ان کے معانی میں نازک سا فرق ہے۔ ابواب کی تبدیلی سے لون معنوی (Shade of Meaning) میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ نذیر میں شدت اور تواتر کا مفہوم موجود ہے۔ وہ جو مسلسل متنبہ اور آگاہ کرنے کا فریضہ انجام دے نذیر ہے، اور جس کے عملِ تنذیر میں یہ شدت اور تواتر نہ ہو وہ منذر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ویسے ایک ہی رسول کو نذیر بھی کہا گیا ہے اور منذر بھی۔ جس

(۱۹) سورۂ حج آیت ۵۰، ۵۱

طرح بشیر کہا گیا ہے اور مبشر بھی۔ ویسے عام طور پر صوتی آہنگ کی بنا پر نذیر کے ساتھ بشیر آتا ہے اور منذر کے ساتھ مُبشر:

تَقُوْلُوْا مَاجَآءَ نَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ (۲۰)

اِنَّنِی لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ (۲۱)

وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (۲۲)

لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ نذیر کے ساتھ قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر مبشر بھی آیا ہے۔ (۲۳) قرآن اُس ذات کا کلام ہے کہ ہر اسلوب، ہر آہنگ اُس کے ارادے کے تحت ہے۔

تنذیر پر اس مختصر گفتگو کے بعد ہم اب نبیؐ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ بلند کے اس پہلو کی طرف آتے ہیں جسے تبشیر اور بشارت کہتے ہیں۔

بشارت کا لفظ بالعموم اچھی خبر کے لئے استعمال ہوتا ہے، ویسے تو قرآنِ کریم میں یہ لفظ عذاب کی خبر کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا O (۲۴)

منافقوں کو مژدہ سنا دیجئے کہ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہاں بشارت کے لفظ کی بلاغت اور کاٹ قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک دلیل ہے۔ منافق اپنے طرزِ حیات کے سب سے بڑے شاہد تھے۔ اُن کا دورُخا پن دوسروں سے کہیں زیادہ خود اُن پر روشن تھا اسی لئے بشارت کے لفظ کے ذریعے انہیں آئینہ دکھایا گیا ہے کہ منافقت عذابِ الیم کی بنیاد ہے۔ منافقین کی منافقت کا سبب کیا تھا؟ اس کا سبب اگلی آیت ہی میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کو چھوڑ کر عزت حاصل کرنے

(۲۰) سورۃ المائدہ، آیت ۱۹ (۲۱) سورۂ ہود، آیت ۲ (۲۲) سورۂ سبا، آیت ۲۸ (۲۳) دیکھئے المعجم المفہرس/ص ۶۹۲ (۲۴) سورۃ النساء، آیت ۱۳۸

کے فریب میں کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں، مگر عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے: فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا اور اُن کے لئے جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بشارت (وعید) سُن کر منافقین کے چہروں کی رنگت بدل گئی ہوگی۔ خوشی کی خبر سن کر مومنوں کے چہرے دمک اُٹھتے تھے اور ان چمکتے چہروں کا ذکر دنیا اور آخرت دونوں کے سیاق وسباق میں قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔

اللہ کے رسولوں اور بالخصوص رسولِ آخرالزماں اور نبیٔ انسانیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو ایمان اور اعمالِ صالحہ کے اجر کے طور پر جنت کی بشارت دی، اللہ اور رسول نے صابرین اور شہدا کو حیاتِ جاوداں اور ہمیشہ جاری رہنے والے رزق کی بشارت دی، آپ ﷺ نے بشارت دی کہ دنیا اور آخرت کی ہر خوشگواری اور نعمت اُن کے لئے ہے جو منکرات سے رُک جاتے ہیں اور حدود اللہ کی محافظت کرتے ہیں، اللہ اور رسول نے مومنوں کو فضلِ کبیر کی بشارت دی اور یہ بشارت دی کہ تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو۔

چودہ سو سال کی تاریخ ان بشارتوں کی صداقت کی گواہی ہے۔

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا کی تفہیم نے مسلمانوں کو اقوامِ عالم کی قیادت وامامت عطا کی اور جب ہم عزت کے مفہوم سے بے خبر ہو کر کافروں کی رفاقت میں حفاظت اور عزت تلاش کرنے لگے تو آج ہماری یہ کیفیت ہے کہ باغ عالم میں ہم خزاں زدہ پتوں کی طرح اُڑتے پھر رہے ہیں، اور کافروں کے معاہدے ہمیں اعتبار کی سند معلوم ہونے لگے ہیں، اور اس بات پر بھی ناز کرتے ہیں کہ اب ہمیں نادہندہ (Defaulter) قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ ہے وہ غلامی جس میں ہم نام نہاد سیاسی آزادی کے باوصف گرفتار ہیں، اور یہ آیت کریمہ بھی آج ہم پر اپنے معانی کے دروازے نہیں کھولتی کہ

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (۲۵)

عزت تو صرف اللہ اور اُس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے۔

اور اس کے فوراً بعد فرمایا گیا کہ

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ O(۲۶)

لیکن منافقین اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

اس وقت میرے قلم پر لرزہ طاری ہے کہ کیا اس وضاحت کے مطابق ہم نفاق کے عذاب میں گرفتار نہیں ہیں؟

عزت کے مفہوم میں قوت اور غلبہ بھی شامل ہے۔ غلبے کا سرچشمہ ذتِ باری تعالیٰ ہے اور اسے ہم ''نوالہ گدا'' سمجھنے لگے ہیں۔ کیا اللہ کی ناخوشی کی قیمت پر کسی کی فوجی امداد ہمیں صاحبِ قوت بنا سکتی ہے؟ ہماری موجودہ ذلت، بے بسی، ناتوانی۔ سب کچھ حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فقرے میں سمٹ آئی ہے۔

مَنْ اِعْتَزَّ بِالْعَبِيْدِ اَذَلَّهُ اللّٰهُ (۲۷)

جو بے بس اور حقیر بندوں کے ذریعے عزت حاصل کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل کر دیتا ہے۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعتِ مومنین کو اس دنیا اور آنے والی دنیا کی خوشگواریوں، کامیابیوں اور کامرانیوں کی بشارت دی۔ اس سے بڑی بشارت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اِس دُنیا کی زندگی کا تسلسل کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی تک جا پہنچے۔ اس دنیا میں آدمی اپنے آپ سے مطمئن ہو، دوسرے انسانوں کے لئے جس کے موسم میں موجِ نسیم بن جائے، اِس کائنات کے ہر ذرے کے لئے رحمت کا سبب بنے اور اپنے خالق سے اُس کا وہ رشتہ قائم ہو جائے کہ وہ محسوس بھی ہو اور معلوم کے دائرے میں بھی آ جائے۔

(۲۵) سورۂ منافقون، آیت ۸ (۲۶) ایضاً (۲۷) قول عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ہمارے دور میں مستقبلیات (Futuristics) کو ایک باضابطہ علم کا درجہ حاصل ہو چکا ہے اور مستقبلیات کو ہماری دنیاوی زندگی کا حصہ بنا دینا حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم ترین معجزوں میں سے ہے۔ اُن ﷺ کے رب نے اُن کی زندگی کے ہر لمحے اور پہلو کو ایک معجزہ بنا دیا۔ ایسا معجزہ جو رواں دواں ہے اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک پہنچتا ہے۔ زیادہ درخشاں اور تابناک ہو کر، جنت اِسی دنیا کا تسلسل اور اِسی زندگی کا تکملہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بشارت، جس نے مومن کی موت کو بھی دیباچۂ حیات ونشاطِ ابد بنا دیا:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ O (۲۸)

اے رسول ﷺ! اُن لوگوں کو بشارت دیجئے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اعمالِ صالحہ کو اپنایا کہ اُن کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اِن باغوں کے پھل صورت میں دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے، جب کوئی پھل انہیں کھانے کے لئے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ایسے ہی پھل اِس سے پہلے (دنیا میں) ہمیں عطا ہوئے تھے اور اُن کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں (اور جوڑے) ہوں گے اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اِس بشارت میں جیسا کہ عرض کیا گیا زندگی کا تسلسل اہمیت رکھتا ہے۔ اعمالِ صالحہ کا اجر ہمیشہ کی فردوسی زندگی ہے۔ اور اِس تسلسل کی نشانیاں کیسی گونا گوں

(۲۸) سورۂ البقرہ، آیت ۲۵

ہیں۔ وہ پھل جو اِس دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہوں گے لیکن جن کی لذت اُس ''جنتِ خُلد'' کے مزوں کی ہم طرح ہوگی۔ یہ نکتہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ جنت کی فضا اور لذتوں کی تکمیل پاکیزہ بیویوں سے ہوتی ہے۔ یہ وہ بیویاں ہیں جو اس دنیا میں بھی اسلامی معاشرے کو جنت کی مثال بناتی ہیں۔ یہ وہ بیویاں ہیں جو اس دنیا میں اپنے شوہروں کی عصمت قلب و نظر کا سبب بنتی ہیں، اسلامی معاشرے کی تعمیر کرتی ہیں اور یوں وہ بشارت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی پس منظر میں درج ذیل آیت کے معانی ہم پر کھلتے ہیں اور یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ عورتوں اور اولاد کے ذکر کے بعد مومنوں کو فلاح کی نوید کیوں دی گئی ہے۔

نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ O (۲۹)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں جاؤ، مگر اپنے مستقبل (کی) فکر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تمہیں (ایک دن) اُس سے ملنا ہے۔ (اور اے رسول ﷺ) اہلِ ایمان کو (سعادتوں کی) بشارت دو۔

جنس اُن لذتوں میں سے ایک ہے جو بہت سے انسانوں کو بے لگام کر دیتی ہیں اور وہ فکر و تامل سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں جرائم کی اکثریت کا تعلق جنس سے ہے۔ شراب اور دوسری گم راہیاں جنسی لذتوں کے جلو میں آتی ہیں۔ پھر عورت سے جنسی تعلقات بہت سے لوگوں کے لئے سب کچھ بن جاتے ہیں۔ نت نئے تجربے، تنوع، آزار پسندی اور آزار طلبی۔ آج کے ماحول میں یہ تفاصیل معلوم اور عام ہیں۔ اسلام میں عورت تفریحی کھلونا نہیں ہے، بلکہ مرد و عورت کا جنسی تعلق ایک بڑا مقصد رکھتا ہے اور وہ ہے

(۲۹) ایضاً، آیت ۲۲۳

نسل انسانی کا تسلسل۔ انسانی معاشرے میں اصل ذمہ داریاں تو اولاد کی پیدائش کے بعد شروع ہوتی ہیں۔ اولاد کو رزقِ حلال پر پالنا، اولاد کی تربیت، تعلیم اور نگہبانی، اور مستقبل کی فکر میں یہ سارے پہلو سمٹ آئے ہیں۔ اس میں یہ مفہوم پوری طرح شامل ہے کہ تم جس نسل کو اپنے بعد اس کرۂ ارض پر چھوڑ جاؤ وہ ہر اعتبار سے انسانیت کے کارواں کو عافیت کے راستوں پر آگے بڑھا سکے۔ اور یوں ایسے لوگ بشارت کے مستحق ہیں جو انسانیت کے مستقبل کو محفوظ تر بناتے ہیں اور ایسی نسلوں کو اپنا وارث بناتے ہیں جو اعلیٰ اقدارِ حیات کی نمائندہ بن سکیں۔

بشارت مومنوں کے لئے ہے۔ مومن وہ ہیں جو ایمان لائے، جو نیک اعمال کرتے ہیں، جو اپنے سینے میں اپنے اور انسانیت کے مفادات کا غم رکھتے ہیں، اور پھر بشارت کے سلسلے ہی میں مومنوں کے اوصاف بیان کئے گئے، واضح رہے کہ یہ اوصاف اُن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اُن کے فیضِ صحبت نے پیدا کئے ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور وابستگی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد انسانی تاریخ کا سب سے برگزیدہ طبقہ بنا دیا۔ اور اُن کا پرتو ہمیں تابعین، تبع تابعین اور صلحائے اُمت کی زندگیوں میں ملتا ہے۔ یہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کھیتی جو قیامت تک لہلہاتی رہے گی اور جس کی نئی فصلیں انسانیت کی سرخروی اور سیرابی کا سامان بہم پہنچاتی رہیں گی۔

اَلتَّـآئِبُوْنَ الْعٰـبِدُوْنَ الْحٰـمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ
السّٰـجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ O (۳۰)

اللہ کی طرف بار بار پلٹنے اور توبہ کرنے والے، اُس کی عبادت

(۳۰) سورۂ توبہ، آیت ۱۱۲

کرنے والے، اُس کی حمد کرنے والے، اس کی خاطر زمین میں گھومنے والے، معروف کا حکم دینے والے، بدی اور منکر سے روکنے والے اور اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور اے نبی ﷺ! ان مومنوں کو (ہر فلاح وسعادت کی) بشارت دید یجیے۔

انہیں مومنوں کے سلسلے میں اس سے پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ (۳۱)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کے جان (نفس) اور مال جنت کے عوض خرید لئے۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، قتل ہوتے ہیں، اور قتل کرتے ہیں، اُن کے لئے جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے، تورات میں، انجیل میں اور قرآن میں۔

توبہ کی یہ توفیق، اللہ کی عبادت اور حمد کا یہ ذوق، اُن کا جہاد فی سبیل اللہ اور حصولِ علم کے لئے جذبۂ سیاحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پاس داری اور حدود اللہ کی حفاظت کے لئے اُن کی چوکسی۔ یہ سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت کا عکس تھا اور آج بھی کتاب اللہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے اقوال واعمال کے عکس سے ہماری زندگی میں یہ رنگ اُبھرتے ہیں۔ یہ ہے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے جاری وساری ہونے کا ایک پہلو، اور یہ مقامِ محمدی ابدی، جاوداں اور مسلسل ہے۔ ہمارے مولا اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اس باب میں کتنا حساس بنا دیا تھا اور کس طرح حدود اللہ کے ساتھ ساتھ وہ اپنے نفس اور کردار کی حفاظت

(۳۱) ایضاً، آیت ۱۱۱

کرتے تھے اُس کا اندازہ حدیث حنظلہ سے ہوسکتا ہے:

حضرت حنظلہ بن ربیع الاسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن مجھے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ملے اور انہوں نے دریافت فرمایا ''حنظلہ کیا حال ہے؟'' میں نے اُن سے کہا ''حنظلہ منافق ہوگیا'' انہوں نے فرمایا ''سبحان اللہ۔ تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔'' میں نے جواب دیا ''جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ اور جنت کا ذکر کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم دوزخ اور جنت کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آجاتے ہیں تو بیوی بچے، زمین اور کاشتکاری کی مصروفیات میں کھو جاتے ہیں اور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔'' حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر فرمایا ''یہ کیفیت تو ہماری بھی ہو جاتی ہے۔'' اس کے بعد (حضرت) ابوبکر اور میں، دونوں چل دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حنظلہ منافق ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ کیسے؟'' میں نے عرض کیا ''صورتِ حال یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ جب ہمیں دوزخ اور جنت کا حال سنا کر نصیحت کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور جب آپ کی مجلس سے نکل کر ہم گھر جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور کھیتی باڑی اور دنیا کے مشاغل میں کھو جاتے ہیں اور سب کچھ بھول جاتے ہیں۔'' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

> قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر ہمیشہ تمہارا وہی حال رہے جو میری محفل اور صحبت میں ہوتا ہے اور تم ہمیشہ ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تمہارے بستروں میں اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ! یہ

کافی ہے کہ یہ کیفیت وقتاً فوقتاً رہا کرے۔

اور یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔(۳۲)

تائبون یعنی توبہ کرنے والے۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ مومن بار بار اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ ہی اُن کی پناہ گاہ ہے جس کی طرف وہ لوٹ کر آتے ہیں۔ بشریت کے تقاضوں کے تحت ہم اللہ سے اپنے رشتے کی گہرائیوں اور اپنے فرائض کو وقتی طور پر بھول جاتے ہیں، لیکن پھر ایمان ہمیں بارگاہِ صمدیت میں توبہ اور ندامت کے ساتھ واپس لے جاتا ہے۔ ہماری ہر لغزش توبہ کے سانچے میں ڈھل کر ہماری باز آفرینی کا سبب بنتی ہے۔ یعنی بار بار کی توبہ اور رہ رہ کر خدا کی طرف پلٹنا اور ہر لغزش کے بعد وفاداری کی راہ پر واپس آنا ہی ایمان کے دوام وثبات کا ضامن ہے۔(۳۳)

ہر بشارت اُن مومنوں کے لئے ہے جن کا ہر قدم دین کی سربلندی اور جہاد کے لئے گھر سے نکلتا ہے سائحون یہ لفظ سیاحت سے ماخوذ ہے، مگر بیشتر مفسرین کا قول ہے کہ سائحون کا لفظ صائمون یعنی روزہ داروں کے لئے استعمال ہوا ہے، لیکن بعض روایتوں میں اس کا مفہوم جہاد بھی بتایا گیا ہے اور ہم نے اِسی مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ ابن ماجہ، حاکم، بیہقی نے بسندِ صحیح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

سَیاحۃُ اُمتی الجہاد فی سبیل اللّٰہ (۳۴)

اس امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔(۳۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں رجوع کرنے والوں، حمد کرنے والوں، جہاد کرنے والوں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنانے والوں کے لئے ہیں اور یہ تمام خصوصیات حدود اللہ کی اطاعت کرنے والوں میں سمٹ آتی ہیں۔ الحافظون لحدود

---

(۳۲) مسلم (۳۳) مودودی/ تفہیم القرآن/ ج ۲/ص ۲۳۹ (۳۴) زبیدی/ اتحاف سادۃ المتقین، بیروت/ ج ۷/ص ۲۹۵ (۳۵) مفتی محمد شفیع/ معارف القرآن/ ج ۴/ص ۴۶۹، یہ لفظ طلبِ علم کے لئے گھر سے نکلتے ہوئے طلبہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

اللہ ۔ مسلمان کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، اُس کی سیاست ہو یا معیشت، اُس کا نظامِ اقدار ہو یا سلسلہ عبادات، اُس کا اخلاق ہو یا معاشرت، بات چھوٹی ہو یا بڑی، وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود اور ضابطوں کو اپنے عمل کے ذریعے مستحکم کرتا ہے اور یوں کہ اُس کے عمل سے حدود اللہ کا خاکہ نگاہوں کے سامنے اُبھر آ جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ حفاظت حدود اللہ کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ حجۃ الوداع، حدود اللہ کی حرمت اور تکمیل و تعمیل کا نقطہ عروج تھا کہ کارِ رسالت مکمل ہو چکا تھا۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے اسلام کی بنیادوں کو واضح کیا اور شرک و جہالت کی بنیادیں منہدم کر دیں۔ ناحق خون کرنا، مال غصب کرنا اور آبروریزی کرنا، جہالت کی تمام باتوں اور مروجہ کاموں کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کر دیا، جہالت کا سود کل کا کل آپ ﷺ نے ختم فرما دیا۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی۔ اُمت کو آپ نے کتاب اللہ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہنے کی وصیت کی۔ آپ نے لوگوں کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا جو ایک دوسرے کی گردن مارتے رہتے ہیں۔ خبردار ظلم نہ کرنا۔ کسی مسلمان کے مال میں سے کچھ لینا جائز نہیں۔ جس کے پاس کوئی امانت ہو وہ صاحبِ امانت کو واپس کر دے۔ (۳۶) نہایت اختصار کے ساتھ حجۃ الوداع کے حوالے سے حدود اللہ کا ذکر کیا گیا، ورنہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً حدود اللہ کی جس طرح حفاظت کی وہ خود ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے۔ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر یہ بات اپنے عمل سے واضح فرما دی کہ بشارت کے مستحق مومن اللہ کی حدود کی حفاظت خود بھی کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی کراتے ہیں اور یوں وہ معاشرہ وجود میں آتا ہے جو حدود اللہ کی نگہداشت کا اجتماعی نمونہ ہوتا ہے۔

(۳۶) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ / نبی رحمت / مجلس نشریاتِ اسلام کراچی / ج ۲ ص ۱۲۳ تا ۱۳۲، حجۃ الوداع کے خطبوں کا خلاصہ

انذار اور تبشیر کے ذکر کے ساتھ قرآنِ حکیم نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ رسول، ہمیشہ انسان ہوتا ہے۔ وہ انسان جو اپنے معاشرے کے ہر مرض سے باخبر ہوتا ہے اور جس کا وجود اللہ کی عظمت و کبریائی کی پہلی شہادت ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے معاشرے کے مصائب، کمزوریوں اور تمام رجحانات سے بالاتر اور پاک ہوتا ہے اور جس کا ہر قول وحیِ الٰہی کی روشنی سے منور ہوتا ہے اور معاشرے کو بھی روشن کرتا ہے۔ لیکن انسانوں نے ہر دور میں، جب تک سلسلۂ رسالت جاری رہا، اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ یہ کیسے رسول ہیں جو بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، حوائجِ ضروریہ سے بالاتر نہیں، فقر و فاقہ کرتے ہیں، عام انسانوں کی طرح بیمار پڑتے ہیں، اور تو اور بسا اوقات دوسروں سے قرض بھی لیتے ہیں، بات یہ ہے کہ یہ منکر اور کافر منصبِ رسالت سے بے خبر تھے، رشد و ہدایت سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا، وہ سحر، بازی گری اور فریبِ نظر کو انتہائے کمالِ انسانیت سمجھتے تھے۔ وہ تو اُس کلام کی ماہیت کو بھی سمجھنے سے قاصر تھے جو اُن کی ہدایت کے لئے رسولوں پر نازل ہوتا تھا۔ اور بالخصوص قرآنِ حکیم جو لوگوں کو حکمت و دانش کی حقیقتوں سے آشنا کرنے کے لئے نازل ہوا۔ وہ حکمت و دانش جس کو اپنانے والوں نے صدیوں کا سفر برسوں میں طے کیا۔

الٓرٰ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا
اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۝ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ
هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (۳۷)

ال ر۔ یہ کتابِ حکمت و دانش کی آیات ہیں، کیا لوگوں کے لئے یہ (بہت) عجیب بات ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک آدمی کی

---

(۳۷) سورۂ یونس، آیت ۱،۲

طرف وحی بھیجی کہ وہ (غافلوں کو) تنبیہ کرے اور (اُن کے نتائج اعمال سے) ڈرائے اور ایمان والوں کو بشارت دے کہ اپنے رب کے ہاں اُن کا پایہ سچا ہے (اور ان کے لئے سچی عزت اور سرفرازی ہے اور اس وحی وصداقت سے بھاگنے کے لئے) کافر کہنے لگے کہ یہ تو صریح اور کھلا ساحر اور جادوگر ہے۔

رسول کی بشریت کو قرآنِ حکیم نے بارہا پیش کیا ہے، اور مختلف سیاق وسباق میں اس طرح کہ اس بشریت کے مختلف پہلو ابھر آئیں۔ یہاں الٓـر، حروفِ مقطعات کے بعد یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ حروفِ مقطعات اللہ اور رسول کے درمیان رمز بندی اور رمز کشائی (Encoding Decoding) کی ایک صورت ہیں اور اہلِ ایمان کے لئے افزائشِ ایمان کی ایک سورت، انتہا یہ کہ قرآنِ حکیم کا آغاز ہی الم سے ہوا اور ان پر ایمان کی بنیاد پر ہمارے اسلام کی بنیاد قائم ہے۔ حروفِ مقطعات کی تعبیریں اور تفسیریں موجود ہیں، مگر ہمارے ایمان کو اُن کی حاجت نہیں۔ ہاں یہ نکتہ ضرور ہمارے سامنے آتا ہے کہ ایسے اکثر مواقعات پر اللہ کی کتاب کا ذکر آتا ہے۔ یہاں بھی آیاتِ کلام اللہ کے ذکر کے بعد رسول، وحی، تنذیر اور تبشیر کا ذکر آیا ہے اور اس نکتے کو بیان کیا گیا ہے کہ رسول کا لوگوں ہی میں سے ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ اپنی قوم کی نفسیات، اُن کی عادات، سماجی اور ذہنی رجحانات سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔ پھر اگر انسانوں کے لئے فرشتے رسول بنا کر بھیجے جاتے تو وہ انسانی تقاضوں کے سلسلے میں کس طرح اُن کی رہنمائی کر سکتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ اُن کے ذہنوں میں انہیں کے محاورے، اسالیبِ بیان اور قومی روایات کے پس منظر میں کس طرح نئے تصورات کو اس طرح پیش کر سکتے تھے کہ وہ اُن کا عمل بن سکتے، بلکہ انہیں نئے نظامِ زیست کا قائد بنا دیتے۔

پھر اُن رسولوں کی زندگی انہیں لوگوں کے درمیان گزری تھی۔ وہ اُن کے

کردار، صدق، بے نفسی، قربانی اور ہر خوبی سے آگاہ تھے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دعویٰ نبوت کے سلسلے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اے لوگو! میں نے اپنی ایک عمر تمہارے درمیان گزاری ہے۔ پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ یہ آیت بھی سورۂ یونس ہی میں آتی ہے اور اس سے قرآنِ حکیم کے نظم و ترتیب اور معنویت کے کتنے ہی باب کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے کتنے ہی مقامات اس کتابِ ربانی میں موجود ہیں۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O (۳۸)

اے رسول! کہہ دیجئے کہ اللہ اگر چاہتا تو میں تمہارے سامنے یہ قرآن نہ سناتا، اور تمہیں اللہ اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے اور اس کے بارے میں بھی نہیں سوچتے۔

اس ایک آیت میں خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے غبار، روشن اور کامل ترین زندگی ہی نہیں سمٹ آئی ہے بلکہ دعویٰ نبوت کے ساتھ ہی جس طرح اُن کی ذاتِ گرامی اللہ کے کلام کی ترجمان بنی، جس طرح اُن کی زبان کے مطلع سے آفاقی دانائی اور حکمت کا سورج طلوع ہوا اور اقصائے عالم کو منور کرنے لگا، اُس کا مکمل مرقع بھی موجود ہے۔ یہ بات تو قریش جانتے ہی تھے کہ محمد ﷺ صادق ہیں، امین ہیں، دوسروں کے درد اور غم کا ٹھکانا اُن کا قلب ہے، وہ اپنے معاشرے کے بہی خواہ اور خیر طلب ہیں۔ اور یہ دوسرا پہلو بھی تو اُن کے سامنے تھا کہ چالیس سال کی عمر تک آپ نے ایسی باتیں کبھی نہیں کہی تھیں۔ وہ باتیں جن میں ڈراوا بھی تھا اور بشارت بھی۔ وہ باتیں جو ایک جہانِ نو کی تعمیر کی پہلی اینٹیں تھیں، وہ باتیں جن میں ایک عظیم انسانی انقلاب کی خوشبو بھی تھی اور روشنی

(۳۸) ایضاً، آیت ۱۶

بھی، وہ باتیں جن میں اقوامِ سابقہ کی روئداد بھی تھی، مگر وہ حیرت زدہ معاشرہ اتنی ذہنی توانائی اور اپنے معاشرے کے جاہلانہ معتقدات سے نکلنے کی ہمت سے بھی محروم تھا۔ اور پھر عظیم ترین رسول اور انسان نے انہیں آیاتِ حکمت و دانش سے بیدار کیا اور انہیں اس قابل بنایا کہ وہ اپنے نتائجِ اعمال کا تجزیہ کر سکیں۔ اور فرمان و تعلیماتِ الٰہی کے نتائج کو اللہ تعالیٰ نے یوں سمیٹ لیا۔

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۳۹)

اپنے رب کے ہاں اُن کا پایا سچا ہے اور اُن کے لئے سچی عزت اور سرفرازی ہے۔

اس سے مکمل، اس سے جامع اور ہر سعادت و برکت پر محیط بشارت چھ لفظوں میں ربِ محمد ﷺ کے سوا اور کون دے سکتا ہے۔ لیکن انکار کرنے والوں نے بشیر صادق کو ''ساحر'' کہا۔ یہ کفر اور کافروں کی پراگندہ ذہنی اور انتشارِ فکر کا ثبوت ہے۔ وہ کسی ایک بات پر بھی متفق نہ ہو سکے۔ کبھی ساحر کہا، کبھی مسحور، کبھی شاعر کہا اور کبھی کاہن۔ ساحر تو نظر بندی کرتا ہے، وہ نظر کشائی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا، رسول تو بصیرت عطا کرتا ہے، زمین و آسمان کے حقائق کو اپنے رب کے حکم سے آشکار کرتا ہے اور انسانوں کے راستوں کو جگمگا دیتا ہے۔ جہل و کفر کی تاریکیوں کی جگہ ایمان کی روشنی لے لیتی ہے، ذہن کا ہر گوشہ جالوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

بشارتوں کا یہ سلسلہ اور مختلف پہلو قرآنِ مجید میں جا بجا بیان ہوئے ہیں اور اس طرح کہ پوری انسانی زندگی ان بشارتوں کے دائرے میں آ جاتی ہے۔ ایمان تو وہ تجارت ہے جس میں آدمی ساری دنیا کی طرف سے منہ موڑ کر اللہ اور اُس کے رسول کو اپنے لئے چن لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں اُس کا دلِ غنی ہر دو جہاں سے بے نیاز ہو جاتا

(۳۹) ایضاً، آیت ۲

ہے۔ اللہ اور رسول پر ایمان لا کر وہ ہر باطل، ہر طاغوت، ہر ضلالت اور ہر گمراہی کی تردید ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اِس سارے نظام کو تہس نہس کر دیتا ہے اور انسان دیکھ لیتا ہے کہ باطل بیت عنکبوت ہے اور اس سے کمزور اور کیا چیز ہوگی؟ وہ اللہ کی راہ میں اپنی ہر صلاحیت کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جنتیں جن کی منتظر ہیں اور مکان کو تو کمین سے شرف حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ مومن ہیں جن کے لئے اللہ کی نصرت ہمیشہ حقیقت رہی ہے۔ یہی وہ مردانِ حق تھے، اور یہی وہ مردانِ حق ہیں جو تاریخ کی شاہ راہوں کو منور کرتے رہیں گے۔ وہی اِن بشارتوں کے مصداق تھے، اور رہیں گے۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ، ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۴۰)

ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر، اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں (ہر صلاحیت) سے جہاد کرو۔ یہی بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ (اور عقل و شعور رکھتے ہو)۔ اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور ہمیشہ بسنے والی جنتوں میں تمہیں بہترین (اور صاف ستھرے) مکان اور مسکن عطا کرے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور فوزِ عظیم۔ اور ایک اور چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی اللہ عطا فرمائے

---

(۴۰) سورۃ الصف، آیت ۱۱۔۱۳

گا۔ اللہ کی طرف سے نصرت اور جلد حاصل ہونے والی فتح۔ اور اے نبی ﷺ! اہلِ ایمان کو یہ بشارت سنا دیجیے۔

قرآنِ حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارتیں مومن کو زمانے کو بدلنے اور موڑنے والی قوت بنا دیتی ہیں۔ زمانہ اس سے بچ کر اپنا سفر طے کرنے میں عافیت محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ اُس کے ہنگاموں کی تاب نہیں لا سکتا۔ مسلمان کی تکبیر، اُس کے کلمۂ اعلائے حق نے وقت کے طلسم کو توڑ دیا

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق، تو بھی اُدھر جا
ہنگامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
بچتا ہوا بنگاہ قلندر سے گزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تُو تو اُتر جا
توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مکرنے کی جرأت تو مکر جا
مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

شاہد

رسالت ونبوت کے بعد تنذیر وتبشیر پر مختصر گفتگو قرآنِ حکیم کی روشنی میں کی گئی۔ رسول بشیر ونذیر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند ترین معانی میں شاہد وشہید بھی ہوتا ہے اور اُس کی یہ حیثیت اور مقام بشارت وتنذیر کا تکملہ ہے۔ ہمارے ایک بہت بڑے عالم اور صاحبِ نظر بزرگ کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے (میں نے راست نہیں پڑھا ہے) کہ نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی میں ہر کمال موجود تھا، شہادت کے علاوہ، اور اللہ تعالیٰ نے اس کمی کو اُن کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذریعے پورا کیا۔ میں اُس رجلِ کبیر کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں اگر انہوں نے یہ بات لکھی ہے، لیکن تمام رسولوں کو شہادت کا درجہ حاصل ہے اور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم تو مرتبہ شہادتِ عظمیٰ پر فائز ہیں۔

شہید کس ذوق، کیسی سرمستی اور کیسے عاشقانہ انداز میں اپنی جان کا نذرانہ اپنے رب کے حضور پیش کر دیتا ہے کیونکہ وہ جنت کا نظارہ اسی دنیا میں کرلیتا ہے۔ شہادت کے معانی ہیں موجود ہونا، حاضر ہونا، شہید ان حقائق کو پیش کر دیتا ہے جو دوسروں کے دائرۂ بصارت وبصیرت سے باہر ہوتے ہیں۔ شہید کے لئے وہ چیزیں بھی دائرۂ دید و ادراک میں شامل ہوتی ہیں جو دوسروں کے لئے غیب ہیں۔ شبِ معراج، صاحبِ معراج

صلی اللہ علیہ وسلم نے ملائکہ، جنتوں اور جہنموں کو دیکھا، انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات کی، اُن کی امامت فرمائی اور آنے والے ادوار کا مشاہدہ بھی کیا۔ تمام انبیاؑ اُنہیں صداقتوں کی طرف انسانوں کو دعوت دیتے ہیں جن کا انہوں نے خود مشاہدہ کیا ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حیات بعد الممات پر جس درجۂ یقین ہوگا ہم تو اُس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے، لیکن انہیں یہ حقیقت ایک شخصی مشاہدے کے طور پر قوم کے سامنے پیش کرنی تھی:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (۱)

اور (وہ موقع بھی سامنے رکھئے) جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا تم (حیات بعد الموت پر) ایمان نہیں رکھتے؟ حضرت ابراہیمؑ نے کہا ایمان تو رکھتا ہوں مگر قلب کا اطمینان درکار ہے۔ رب جلیل نے فرمایا کہ اچھا چار پرندے لے لو اور اُن کو اپنے آپ سے مانوس کر لو (پھر ان کو کاٹ کر) ان کا ایک ایک ٹکڑا الگ الگ پہاڑوں پر رکھ دو۔ پھر اُن کو آواز دو۔ وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب جان لو کہ اللہ نہایت صاحبِ اقتدار اور صاحبِ حکمت ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۰

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نفسی کیفیت اور اطمینانِ کلی کا اندازہ اس سے پہلی آیت نمبر ۲۵۹ سے ہوسکتا ہے جس میں ایک ایسے شخص کا تذکرہ ہے جو ایک شہر مردہ سے گزرا۔ مکانوں کی چھتیں بیٹھ گئی تھیں اور دیواریں اُن چھتوں پر ملبے کی صورت پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے ذہن میں یہ سوال اُبھرا کہ اللہ تعالیٰ اس ملبے میں دبے ہوئے لوگوں کو قیامت کے دن کیسے زندہ کریں گے۔ اُس کی اس حیرت کا جواب یوں دیا گیا کہ سو برس کے لئے اُس کی روح قبض کر لی گئی اور جب وہ پھر زندگی کی طرف لوٹا تو اُس سے پوچھا گیا کہ تم موت کی حالت میں کتنی مدت رہے۔ اُس نے جواب دیا ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ فرمایا گیا کہ نہیں سو برس۔ تیرا جسم ہر تغیر سے محفوظ رہا، کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں سڑی، مگر تیرا گدھا سڑ کر ڈھانچا بن گیا ہے۔ اور پھر اُس کے گدھے کو اُس کی نظروں کے سامنے زندہ کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کو حیات بعد الممات پر یقینِ کامل تھا، مگر اس کی مختلف صورتوں، حالتوں اور کیفیتوں کا علم نہیں تھا، اسی لئے انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا تاکہ اپنی قوم کو بتا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چار پرندے پالنے کا حکم دیا تاکہ شناخت میں کوئی شبہ نہ رہ جائے۔ پھر وہ ذبح شدہ پرندے جڑ کر اُن کی آواز پر چلتے ہوئے (اڑتے ہوئے نہیں) چار پہاڑوں کی مسافت طے کر کے ان کے پاس آ گئے۔ یہ اجزا کے یک جان ہونے کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں، مگر اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی ذرات مجتمع ہو کر کیسے اپنا وجود پالیں گے۔

حیات بعد الموت اور آخرت کا مسئلہ ہر دور میں مشرکین کے لئے سب سے مشکل مسئلہ رہا ہے۔ قرآن کریم کی مکی آیات میں توحید اور آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے، اور انبیائے کرامؑ کو اس حقیقت کا شاہد بنایا گیا ہے، اور جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے والے بھی اسی شہادت کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیتے ہیں۔

قرآنِ حکیم نے نبیٔ آخر الزماں اور رسول ہر زمان و مکاں کے شاہد ہونے کا ذکر اُن کے مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر کے ساتھ فرمایا ہے اور اِس سے آپ کی ان صفات اور حیثیتوں کا رشتہ اور سلسلہ ہمارے سامنے آتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (۲)

اے نبی ﷺ! ہم نے تم کو شاہد (اور گواہ) اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (سورج) بنا کر۔

یہ مقام شہادت عجیب ہے اور اس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تمہارے نبی نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا تھا تو وہ انکار کر دیں گے۔ حضرت نوحؑ سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم نے وحیٔ الٰہی اپنی قوم تک پہنچا دی۔ کیا تمہارا کوئی شاہد ہے تو وہ جواب دیں گے ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمت'' قومِ نوحؑ جواباً کہے گی کہ یہ لوگ تو ہمارے بہت بعد آئے، یہ کیسے شہادت دے سکتے ہیں۔ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف سلام) کہے گی کہ حضرت نوحؑ کی تبلیغی جدوجہد اور جاں فشانی کی خبر ہمارے رسول اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی تھی اور یہ خبر ہمیں اُن کے ذریعے عطا کی جانے والی آخری کتاب اللہ کے ذریعے ملی۔ سرور انس و جاں اپنی شہادت سے اپنی اُمت کی شہادت کی توثیق فرمائیں گے۔ یہ شہادت اُس سراج منیر کی شہادت ہوگی جس کے قلب روشن سے تمام مومنوں کے قلوب روشن اور منور ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور روشنی کا یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ جس کا قلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ

(۲) سورۂ احزاب، آیت ۴۵، ۴۶

حسنہ کی روشنی سے جتنا روشن ہوگا، اسی درجہ وہ معتبر ہوگا۔ (۳)

ایک ضمنی نکتہ اس گفتگو سے یہ بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت محض ایک رسول کی بعثت نہ تھی بلکہ آپ کے ساتھ ایک اُمت بھی مبعوث ہوئی جو خیر الامم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کتنی عظیم، کتنی ہمہ جہت ہے۔ قتال فی سبیل اللہ میں اللہ کا رسول سب سے آگے تھا۔ اور اُحد آپ کے دانتوں کی شہادت کا شاہد ہے، اور آپ کے ایک دندانِ مبارک کی شہادت لاکھوں نفوس کی شہادت سے عظیم تر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ شہادت کا کئی مقامات پر تذکرہ ملتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا (۴)

اے رسول ہم نے آپ کو شاہد، بشارت دینے والا اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (۵)

شاہد کا ترجمہ گواہ کے علاوہ حق کا اظہار کرنے والا بھی کیا گیا ہے۔ (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اور اس ترجمے میں نذرانۂ جاں پیش کرنے والے شہید کا معنوی پہلو بھی بڑی حد تک آجاتا ہے۔ اظہارِ حق بدر، اُحد، خندق اور حنین کے میدانوں میں کیا جاتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ (۶)

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول جو تمہاری باتوں اور اعمال کا شاہد ہے، جیسے ہم نے بھیجا فرعون کی طرف رسول۔

---

(۳) اس روشنی کے حصول کا وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام بھیجنا ہے، ہمارا درود و سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں مسلسل پیش کیا جاتا ہے۔

(۴) سورۂ فتح، آیت ۸ (۵) ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی، بہ ذیل آیت (۶) سورۂ مزمل، آیت ۱۵

رسول اپنی اُمت کا شاہد اور نگراں ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ رسولوں کی شہادت اور اُن کی امتوں کا طرزِ عمل اور ان کی یکسانیت اُجاگر ہو سکے۔ ان رسولوں نے اپنی قوموں کو اس دن کی ہولنا کی سے خبردار کیا جو جوانوں کو بوڑھا کر دے گی، اور جب آسمان پھٹ جائے گا اور اُس دن بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت تمام انبیائے کرام کے ادائے فرائضِ نبوت کی شہادت ہوگی۔ یہ ہے اُس وجود کی عظمتِ شہادت جو اس وقت بھی نبی تھا جب سیدنا آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔(۷) اور جو وجود اس وقت بھی ہمارا شاہد ہے جب ہماری ظاہری نظروں سے اُس کو اوجھل ہوئے چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور جو وقت کے آخری نقطہ تک ہمارا شاہد رہے گا۔ اور یہ شاہد اور شہید اُس شبنم صفت دل کا مالک ہے کہ دوسروں کی کوتاہی عمل بھی اُس کے دل کو محزوں اور آنکھوں کو اشکبار کر دے گی:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ شَهِيدًا ○ (۸)

اور اُس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک شہید (گواہ) اور احوال کہنے والا بلائیں گے اور آپ کو بھی ان پر احوال بتانے والے شہید کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔

یوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت پر شہید ہوں گے اور چونکہ آپ کی نبوت تا قیامِ قیامت جاری رہے گی، اس لئے آپ کی شہادت کے دورانیے کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں۔ اس سے پہلے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ آپ (اور آپ کی امت بھی) امم سابقہ کے بارے میں شہادت دے گی۔ اس آیت کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

---

(۷) عجلونی / کشف الخفا / دار التراث، بیروت / ج ۲ / ص ۱۹۱ (۸) سورۂ نسا، آیت ۴۱

مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں؟ قرآن تو آپ پر نازل ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں (پڑھ کر سناؤ)۔ پس میں نے سورۃ النساء کی قرأت شروع کی اور جب میں اس آیت پر پہنچا۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

تو آپ نے فرمایا کہ بس کافی ہے۔ اور جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (۹)

آپ کے گریہ بے اختیار کی جو تاویل علامہ قسطلانی نے کی ہے وہ دل کو چھو لینے والی ہے۔ آپ کے سامنے وقتِ شہادت کا منظر روشن آ گیا اور اپنی امت کے بے عملوں اور بد عملوں کی کیفیت نے آپ کے دل کو مضطرب کر دیا، یہ بات آپ کے سامنے آ چکی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی اُمت انبیائے سابقین کے حق میں اُن کی امتوں کے انکارِ حق کے سلسلے میں گواہی دے گی۔ ذرا امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ اور علوے درجہ پر غور فرمائیے کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو امتِ وسط کے مقامِ بلند پر فائز فرمایا۔ اس مقامِ بلند کے نتیجے کے طور پر یہ اُمت عالمِ انسانیت پر گواہ بن گئی اور آپ اس امت کے گواہ اور شہید بنائے گئے۔ یہ بات جس سلسلۂ کلام اور پس منظر میں بیان کی گئی ہے اس کو اس جگہ پیش کرنے سے ''وسط'' اور ''شہید'' دونوں اصطلاحوں کے معانی واضح تر ہو جائیں گے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

---

(۹) بخاری/الصحیح/باب قول المقری للقاری

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (۱۰)

اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم عالم انسانیت پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو، اور جس طرف ہم نے قبلہ مقرر کیا تھا (کہ تم اُدھر رخ کرو) تو یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کون رسول کا تابع رہے گا اور کون الٹے پاؤں پھر جائے گا۔ بے شک سخت بات تھی، سوائے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ کی ہدایت سے فیض یاب تھے اور جن کو اللہ نے راہ دکھائی، بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفیق اور رحیم ہے۔

ہادیٔ اعظمِ جن وانس شہادتِ عظمٰی کے آخری مقام پر فائز تھے، اور یہ شہادت ایک ایسی ذمہ داری ہے کہ آپ کے اتباع کے نتیجے میں امتِ مسلمہ بھی انسانوں پر شاہد بن گئی۔ اسی مرتبے اور ذمہ داری نے اُسے امتِ وسط بنا دیا ہے۔ امتِ وسط کے مقامِ شوق اور مرتبہ بلندی سے ہمارے بیشتر لکھنے والے آسان گزر گئے ہیں۔ اور درمیانی راہ پر چلنے والی امت کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ بیشک یہ سامنے کے معنی ہیں، مگر اس سے مراد وہ انسانی جماعت ہے جو عدل کو قائم کرتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں عدل کو اپنی فکر اور اپنے عمل کی بنیاد بناتی ہے جس سے اُس کے افراد کی زندگی میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ اور معاشرہ ہر ناہمواری سے دور رہتا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کے لئے کسی تحریک کی ضرورت نہیں پڑتی

(۱۰) سورہ بقرہ، آیت ۱۴۳

بلکہ یہ حقوق ہر انسان کو اُسی طرح مل جاتے ہیں جیسے چاند کی چاندنی اور سورج کی روشنی، اور یہ تو وہ ملت ہے جسے حکم دیا گیا ہے کہ عدل کے ساتھ گواہی دو خواہ وہ تمہارے اقربین، والدین اور خود تمہاری ذات کے خلاف جاتی ہو۔

اعتدال ہی صحت ہے اور اعتدال ہی حسن ہے۔ بڑھاپے کی ہر کیفیت کو میرزا غالب نے کس طرح ایک شعر میں سمیٹ لیا ہے

ہو گئے مضمحل قویٰ غالب
اب عناصر میں اعتدال کہاں

اور جمالیات کا مطالعہ کرنے والا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جمال کے بارے میں کتنے ہی نظریے ہیں اور حسن کی کتنی ہی تعریفیں بیان کی گئی ہیں مگر بات یہاں پر آ کر ختم ہوتی ہے کہ اجزا کے درمیان اعتدال کامل ہی حسن ہے۔

پھر آدمی کے بارے میں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

جو عنصر آدمی کو انسان بناتا ہے وہ یہی عدل ہے۔ روحانی، اخلاقی، فکری، سماجی اور جسمانی اعتدال۔ انبیائے کرام کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا بنیادی مقصد ہی یہی ہے کہ لوگ عدل پر قائم ہوں اور معاشرے کو عدل پر قائم رکھیں۔

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۱۱)

کائنات حق اور عدل کی بنیادوں پر قائم کی گئی ہے اور امتِ مسلمہ کو اُمت وسط کہہ کر اس کو اس کے فرائض اور مراتب یاد دلائے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُس کا یہ مرتبہ اُس کے فرض کی ادائیگی سے وابستہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عادل ترین انسان تھے اسی لئے وہ شہادت کے مثالی پیکر ہیں۔ قرآنِ مجید کتاب عدل ہے جو انسانی

(۱۱) سورۂ حدید، آیت ۲۵

معاشرے کو ہر فساد، ہر ناہمواری، ہر ظلم سے بچاتی ہے۔ مسلمان اگر عدل اور اعتدال کی روش کو چھوڑ دے تو وہ انسانوں پر شاہد نہیں رہے گا اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کے لئے غم، دکھ اور جراحت کا سبب بنے گا۔

ہم نے اس آیت کے پس منظر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ پس منظر تحویلِ قبلہ ہے۔ ہم اس کی تاریخ اور تفاصیل کو پیش کرنے کی جگہ صرف یہ عرض کریں گے کہ تحویلِ قبلہ کے ذریعے ایک بار پھر تعمیرِ کعبہ کے مقصد کو پورا کیا گیا (۱۲) اور دنیا کے سامنے یہ حقیقت بھی آگئی کہ اب بنی اسرائیل کی امامتِ اقوامِ عالم کا دور ختم ہوا اور یہ منصب اب محمدِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت کو تفویض کر دیا گیا ہے۔ عالمِ انسانیت پر مسلمانوں کی شہادت اور مسلمانوں پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی شہادت آپ کے مرتبۂ بلند کا نہایت نمایاں پہلو ہے، مگر آج اپنے اعمال کو دیکھتے ہوئے دل کی گہرائیوں میں یہی دعا جنم لیتی ہے کہ بارالہا قیامت کے دن

مکن رسوا حضورِ خواجہ ﷺ ما را

تحویلِ قبلہ کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا رویہ انسانی تاریخ میں اطاعت کے سلسلے میں مکمل ترین مثال کا درجہ رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ کاش بیت اللہ قبلہ بن سکے۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد بھی سوا سال سے زیادہ عرصے تک بیت المقدس ہی قبلہ رہا۔ امید تھی کہ اس سے یہودیوں کے دلوں میں انسیت پیدا ہوگی اور وہ اشتراکِ قبلہ کی وجہ سے اسلام سے قریب تر آئیں گے، مگر ان کی تنگ نظری، ظلمتِ قلب اور نسلی برتری کے احساس نے اُن میں مسلمانوں کے کم تر ہونے کا احساس پیدا

(۱۲) ویسے بھی ہجرت سے پہلے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد حرام میں نماز ادا کرتے تھے تو آپ ﷺ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان کھڑے ہوتے تھے، تاکہ کعبہ بھی سامنے رہے اور استقبال بیت المقدس بھی ہو سکے۔

کر دیا اور پھر اللہ کی حکمتِ بالغہ کو یہ بات بھی مطلوب تھی کہ مومنوں کا امتحان ہو جائے اور مومن منافقوں سے معاشرتی طور پر الگ ہو کر زیادہ مرتب معاشرہ قائم کر لیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ کون رسول ﷺ کا تابع رہے گا اور کون الٹے پاؤں پھر جائے گا۔

تحویل قبلہ کا حکم رجب یا شعبان ۲ ھ میں نازل ہوا۔ اس سلسلے میں روایات میں تھوڑا بہت اختلاف ہے، مگر یہ اختلاف جگہ اور وقت کے بارے میں ہے، صحابہ کرامؓ کے رویہ اور طرزِ عمل کے بارے میں نہیں۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ اس عہد میں ''قبا'' اور ''مدینہ'' دو الگ بستیاں تھیں۔ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے جانے سے پہلے کئی دن قبا میں تشریف فرما رہے۔ پھر اُسی دور میں مسلمانوں کی کئی مساجد تعمیر ہو گئی تھیں تاکہ انہیں زحمت نہ ہو اور وہ اپنے علاقے کی مساجد میں نمازیں ادا کر سکیں۔ پھر ابلاغ اور پیغام رسانی میں ایک آدھ دن کی تاخیر اور فرق اس عہد کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ بہت سی روایات کے مطابق ہادیٔ امم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنوسلمہ میں ظہر کی نماز کی امامت کر رہے تھے کہ تیسری رکعت کے دوران تحویلِ کعبہ کا حکم آیا اور اُسی حالت میں آپ نے بیت اللہ کی طرف رُخ کر لیا اور صحابہ کرامؓ نے کسی سوال، کسی الجھن اور کسی تذبذب کے بغیر آپ کی پیروی کی اور یہ سب کچھ محض اپنے چہروں اور رُخ کے بدل لینے کی بات نہ تھی۔ بیت المقدس مدینہ منورہ کے شمال میں ہے اور کعبہ (بیت اللہ) جنوب میں۔ یوں امام القبلتین کو نمازیوں کے پیچھے آنا پڑا ہوگا اور رُخ بدلا گیا ہوگا۔ مقتدیوں نے بھی ازسرِ نو صف آرائی کی ہوگی۔ تحویلِ کعبہ کا علم مدینہ والوں کو نمازِ مغرب یا نمازِ عشاء میں ہوا ہوگا، یا دوسرے دن فجر کی نماز میں۔ ایک جگہ تو لوگ رکوع میں تھے کہ اُن تک منادی کی یہ ندا پہنچی کہ خبردار رہو۔ اب تمہارا قبلہ، کعبہ شریف ہے۔ اور رکوع کے عالم ہی میں وہ لوگ قبلہ رو ہو گئے۔

تحویلِ قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبۂ بلند اور رتبۂ عالی کی ایک بڑی

شہادت ہے اور اس بات کی شہادت بھی کہ رب کائنات اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ اعلیٰ کو اُن کی خواہش اور تمنا کتنی عزیز تھی۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ O (۱۳)

بیشک ہم تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، (انتظارِ وحی میں) پس ہم تمہیں اسی قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے تم پسند کرتے ہو۔ تم مسجدِ حرام کی طرف اپنا رُخ پھیر لو اور اب جس جگہ تم ہوا کرو اسی کی طرف رُخ کر لیا کرو (نماز ادا کرنے کے لئے)

یوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار ختم ہوا۔ وہ انتظار جو اُن کے رب نے ایک امانت کی طرح اُن کے قلب میں رکھ دیا تھا اور مسجد حرام کے قبلہ نبیٔ آخر الزماں بنائے جانے کی پیش گوئی اہل کتاب کے صحیفے میں موجود تھی، کیونکہ تحویل قبلہ کی ایک علامتی حیثیت بھی ہے، اور وہ ہے امامتِ بنی اسرائیل کے خاتمے کی۔

رسول اکرم ﷺ اور امتِ مسلمہ کی شہادت کا یہی نکتہ سورۂ الحج میں بھی بیان فرمایا گیا ہے (۱۴) اس آیت میں مسلمانوں کو ملت ابراہیم بھی کہا گیا ہے اور یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا ہے اور قرآن حکیم میں بھی تمہارا یہی نام رکھا گیا ہے۔ تاکہ رسول تم پر شہید (گواہ) ہوں اور تم عالم انسانیت پر گواہ ہو۔ اور تمہاری شہادت کی اساس اور شہادت یہ ہے کہ تم اقامتِ صلوٰۃ کی ذمہ داری پوری کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔

---

(۱۳) سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۴ (۱۴) ملاحظہ ہو، آیت نمبر ۷۸

عبدیت......معراجِ انسانیت

یہ رحمۃ للعالمین، یہ کافۃ للناس، عبدیت کے اس اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھا جو انسانیت کی معراج ہے۔ ہم اپنی زندگی اور اپنے تجربات کی حدود میں اگر عبدیت کی رفعتوں کو سمجھنا چاہیں تو نماز پر غور کریں۔ نماز مومن کا سفر ہے۔ اپنی دنیا سے اپنے رب کی طرف، اسی لئے زبانِ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ الصلوۃ معراج المؤمنین۔ مسلمان قیام، رکوع اور قعود سے گزر کر سجدے کی بلندیوں تک پہنچتا ہے اور پھر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر اپنی دنیا اور دوسرے انسانوں کی طرف واپس آ جاتا ہے۔ یوں وہ سجدے کی رفعتوں سے اُبھر کر دوسرے انسانوں کے لئے سلام اور رحمت بن جاتا ہے۔

عبدیت معراجِ مومن بھی ہے اور پوری زندگی کی مسلسل آزمائش بھی۔ اللہ کے سامنے سر جھکانے والا اپنے عمل سے یہ اعلان کرتا ہے کہ لامعبود الا اللہ۔ وہ عبدیت کے ہتھیار اور قوت سے طاغوت کا مقابلہ کرتا ہے، باطل کو للکارتا ہے، زمان ومکاں کی قیود کو توڑ دیتا ہے، زر مالِ جہاں کی طرف سے منہ موڑ کر اپنے اس رفیقِ اعلیٰ کو اپنی زندگی کی اساس بنا لیتا ہے جو قریب رگِ جاں ہے۔ اس راہ میں کتنے ہی سخت مقام آتے ہیں۔ پیٹھ کے نیچے گرم ریت، جس پر جلائے جانے کے نشان، رستا ہوا لہو اور ہونٹوں پر اللہ احد کا نغمۂ جاوداں۔

اللہ کا عبد (بندہ) وہ ہوتا ہے جو ہر طاقت کو حقیر جان کر اسے ٹھکراتا ہے اور اللہ

سے پیمانِ وفا باندھ لیتا ہے۔ وہ مشکلاتِ لا الٰہ الا اللہ کو خوب جانتا ہے، مگر اُس نے تو اپنی جان و مال کی قیمت پر جنت کا سودا کرلیا ہے اور جنت ہے کیا؟ رضائے الٰہی کے باغ، اللہ کی خوشنودی کی رواں بہتی ہوئی صاف نہریں۔ وہ نہریں جن میں کتنے ہی دریا اور سمندر آکر آباد ہو جائیں۔ صاف پانی کی نہریں۔ آبِ مصفیٰ جو حیات بخش ہے۔ وہ زندگی جس کی روانی میں اسی نہر کے پانی کا سا بہاؤ اور تسلسل ہوگا اور دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ ہمیشہ تازہ رہے گا۔ ہر ملاوٹ اور ہر بو سے پاک۔ دودھ جو مشروب بھی ہے اور غذا بھی۔ اور یہاں شراب کی نہریں ہوگی جن میں اُن کے پینے والوں کے لئے لذت ہوگی۔(۱)

محبت، ذاتِ الٰہی کے دیدار اور قربِ رسول مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے آمیزے کو انسانی زبان کی تنگیوں کے سبب خمر کہا گیا ہے۔ اس دنیا میں ہمیشہ شراب کے نشے میں گم رہنے والے مسلمانوں کے لئے جنت میں دخولِ اول کی قدغن اسی لئے لگائی گئی ہے کہ وہ شراب جنت کا استحقاق کھو چکا ہے، ہاں رحمۃ للعالمینی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دائم الخمر بھی بعد میں جنت میں داخل ہو سکے گا۔ اور اللہ کی جنتوں میں صاف شہد کی نہریں ہوگی۔ شہد کے لئے تو ارشادِ ربانی ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ جنت میں مومن اس شہد کی لذتوں سے اس طرح چپاں اور چپکا ہوا ہوگا کہ سعادتوں کی فضاؤں میں اس کی لذت پرواز متاثر نہیں ہوگی۔ پھر وہ سارے پھل جو اس کی زندگی اور فکر کی لذتوں کا ایک اشارہ ہوں گے اور اللہ کی مغفرت کی سند۔

تاریخ کی نگاہوں نے اسی دنیا میں اُس بہشت کی جھلک اس وقت دیکھی جب محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انسان ساز کے زیرِ ہدایت ان کے اصحاب (رضوان اللہ

(۱) یہ نکتہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بیان فرمایا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ ارکانِ اربعہ، از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی

تعالیٰ علیہم اجمعین) نے مدینے میں ایک فردوسی معاشرے کی تشکیل کی جس میں قرآنی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے اس جماعت نے اپنی زندگی کے لباس کے ہر داغ کو اعمالِ حسنہ کے صاف پانی سے دھو دیا، جس میں ان نفوسِ قدسیہ کی زندگی دودھ کی طرح انسانوں کی بھوک پیاس کو مٹا رہی تھی، جس میں اُن کے قلب ونظر کی سرمستی وسرشاری نے لوگوں کو اس درجے تک پہنچا دیا کہ جب شراب کے مٹکے اور ذخیرے توڑے اور ضائع کئے گئے تو مدینے کی گلیوں میں جیسے شراب بہنے لگی، اور یہ اصحاب باصفا عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول کے شہد میں اپنے فکروعمل کے بال وپر کو یوں ڈبو رہے تھے کہ ظلمتوں کی فضا کی طرف پرواز کرنا تو بڑی بات دھیان کرنا بھی بھول گئے۔

مدینہ منورہ میں ایسے لمحے آج بھی آتے ہیں کہ یہ پوری تاریخ ایک لمحہ میں آپ کی نظر سے گزر جاتی ہے۔

غیب بھی اُن کے کرم سے مری نظروں پہ کھلا
میں نے دیکھی ہے مدینے میں بہشتِ صدرنگ

اور کیا، ان نہروں کا تذکرہ اس کتاب کے سورۂ محمد میں آنا ''اتفاق'' ہے جسے قیامت تک لئے کتاب ہدایت قرار دیا گیا ہے اور جس کے ''مصنف'' نے کسی تفاوت اور تضاد کے بغیر یہ کائنات تصنیف فرمائی ہے اور جو ہر چیز کے مقامِ ذکر سے خوب واقف ہے اور جس نے انسان کو اس کی حیثیت بتا دی ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ (۲)

(۲) سورۂ محمد، آیت ۱۵

جس جنت کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اُس کا احوال یہ ہے کہ اُس میں صاف ستھرے پانی کی نہریں ہوں گی اور دودھ کی ایسی نہریں ہوں گی جن کے ذائقے میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہوگی اور شراب کی نہریں ہوں گی جن میں پینے والوں کے لئے لذت ہوگی اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہوں گی، اور جہاں اُن کے لئے ہر طرح کے پھل ہوں گے اور اُن کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی۔

اس عبد کامل نے انسان کو ربوبیت کا مقام اور مفہوم بتایا۔ عبدیت نام ہے ہر نافع سختی، پابندی اور ضابطے کو یوں اپنانے کا کہ وہ زندگی کا حصہ، مسرت کا سرچشمہ اور ذات کی شناخت بن جائے۔ عبدیت وجہ تخلیقِ انس و جن ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۳)

اور میں نے جو تخلیق کئے ہیں جن اور انسان، سو اپنی عبادت کے لئے۔

اس آیت کے مفاہیم میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ انس و جن میں عبادت کی استعداد خلقی طور پر موجود ہے، اور انسان اپنے شرف و کمال کی منزل تک عبد بنے بغیر نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ عبدیت اطاعتِ رب کے سوا انسان کو ہر غلامی، ہر بندش اور ہر جور و قید سے آزادی دلاتی ہے۔ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا نہ کرنا یا اس تک نہ پہنچنا اعترافِ شکست ہے۔

عبدیت و عبادت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ خالق کا ذکر، اس کے احکام کی تفہیم اور یہ احکام انبیائے کرام علیہم السلام اور عبدِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور اسوہ کے ذریعے ہی سمجھے جا سکتے ہیں، اس کا مقصد انسان (اور اجنہ) کو اپنے حقیقی مقام اور مرتبے سے روشناس کرانا ہے۔

---

(۳) سورۃ الذاریت، آیت ۵۶

اللہ کی عبدیت ہی طاغوت کے اتباع سے بچاتی ہے۔ اللہ سے سرکشی کا دوسرا نام شیطان کی عبادت ہے۔ شیطانِ کبیر (ابلیس) کے علاوہ بہت سے شیاطین انس وجن بھی موجود ہیں۔ میرامن کا یہ فقرہ بھی غور طلب ہے کہ ۔

آدمی ہی آدمی کا شیطان ہے

اور ہماری خواہشاتِ نفس بھی غولِ شیطانی کا ایک جز ہیں۔ نفس ہی ہمیں ہمارے خلاف بھڑکاتا ہے۔ عبدیت کو ہم نفسِ امارہ سے نفسِ مطمئنہ تک کا سفر بھی کہہ سکتے ہیں۔ نفس امارہ شیطان کا ایک روپ ہے اور نفسِ مطمئنہ وہ منزل ہے جب عبد سے اس کا معبود فرماتا ہے کہ اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ، تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی!

فادخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ O وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ O (۴)

بس میرے بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو۔

اور اللہ کی عبادت میں کوئی شرکت ممکن نہیں، عبد اپنے معبود کے لئے ساری دنیا کو ٹھکرا دیتا ہے اور منہ موڑ لیتا ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

توحید کی یہی منزل عبدیت ہے۔

نبیٔ انس وجن صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ معراجِ انسانیت ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زمان ومکاں کے قوانین کو معطل کر کے اپنے رسول کو حرم کعبہ سے مسجدِ اقصیٰ پہنچایا اور انہوں نے وہاں جماعتِ انبیا علیہم السلام کی امامت فرمائی اور پھر اللہ نے سدرہ المنتہیٰ اور عرشِ اعظم تک کا سفر لمحوں میں طے کرادیا، سارے زمانوں کے وہ منظر اور

---

(۴) سورۂ فجر، آیت ۲۹۔۳۰

امکانات آپ ﷺ پر منکشف کر دیئے جو اس کی رضا کے تحت اس کے رسول کے لئے مقدر تھے اور پھر آپ ﷺ اسی دنیا میں واپس تشریف لائے اور وقت کو اس کی رفتار واپس کر دی گئی۔ ویسے ہمارے وقت پیماؤں کے لئے وہ لمحات گم شدہ کڑی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ سفر معراج کبریٰ اور اس سفر کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو عبد کہا ہے۔ یوں عبد انسان کامل ہے اور عبدیت معراجِ انسان ہے۔ ہماری نماز کا ہر سجدہ ہمیں اسی حقیقت کی یاد دلاتا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ○ (۵)

پاک ہے وہ (رب اور خالق کائنات) جو لے گیا، ایک رات اپنے عبد کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد) جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ وہ اپنے بندے کو اپنی کچھ آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کرائے، بیشک وہی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

یہ سفر معراج کے پہلے مرحلے کا بیان ہے۔ دوسرے مرحلے کا ذکر ہمیں سورۃ النجم میں ملتا ہے۔ اگرچہ گفتگو ''عبدیت'' کے موضوع پر ہو رہی ہے، مگر مناسب ہوگا کہ معراج سے متعلق بعض نکات بھی پیش کر دیئے جائیں کیونکہ معراج، محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تاجِ نبوت کے درخشاں ترین جواہر میں شامل ہے۔

آج ہمارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال کی غلط تعبیر کرتے ہوئے اسے ''خواب کا معاملہ'' قرار دیتے ہیں۔

(۵) سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱

یہ سنتِ الٰہی ہے کہ وہ ذاتِ باری اپنے رسولوں کو کسی بڑے واقعے کے لئے تیار کرتی ہے۔ عطائے نبوت سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل رویائے صادقہ کے ذریعے نبوت کے گراں بار منصب کے لئے تیار کیا گیا۔ اسی طرح مکہ کے بعض پتھر اور درخت آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتے ''السلام علیکم یا رسول اللہ'' (ﷺ) اسی طرح یہ عین ممکن ہے کہ پہلے معراج آپ کو خواب کی صورت میں دکھائی گئی ہو۔

معراج کے جسمانی ہونے کی سب سے بڑی شہادت سورۂ بنی اسرائیل کی یہ پہلی آیت ہے۔ ''سبحان الذی'' کی یہ شاندار تمہید کسی غیر معمولی واقعے کے بیان کا اعلان ہے اور پھر ''عبدہ'' کا لفظ عبد صرف روح نہیں بلکہ جسم و روح کے مجموعے کا نام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ''عام الحزن'' کے بعد عطا کی گئی۔ شفیق چچا اور خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جیسی رفیقۂ حیات کی جدائی کا غم برداشت کرنا قلبِ محمدی ﷺ کا حوصلہ تھا۔ وہ چچا جس نے آپ ﷺ کو دنیوی طور پر تحفظ عطا کیا اور وہ بیوی جو سب سے پہلے ایمان لائی، جس کے حرفِ تسلی نے آپ ﷺ کے حوصلے کو مستحکم تر کیا، ویسے تو نبی کا سائبان اس کا رب ہوتا ہے اور اسی رب نے اس پس منظر میں معراج عطا کر کے اپنے رسول کے مرتبے کو بھی بلند تر کیا اور اُس کے حزن و غم کا مداوا اس اعزازِ قربت سے فرمایا۔

معراج کی احادیث اس درجے متواتر ہیں کہ اس واقعے کے بارے میں شک کرنا اپنے ایمان کو ضعف کے آخری درجے میں پہنچا دینے کے مترادف ہے۔ اِن روایات کی تفاصیل تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

پھر اسی واقعے کی تصدیق نے حضرتِ ابوبکر کو صدیق بنا دیا۔ اس واقعے نے تو کئی مسلمانوں کے ایمان میں خلل پیدا کر دیا تھا اور وہ مشرکین مکہ کے استہزا کا جواب دینے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے تھے، لیکن حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اپنے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں آئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا جواب کس قدر منطقی اور مسکت تھا کہ جب میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ جبریل میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی کبھی ایک دن میں کئی بار آتے ہیں تو پھر اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات اپنے رب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اس سلسلے میں یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ کیا محمد (ﷺ) کا رب ایک جگہ مقیم ہے اور وہ ہر جگہ موجود نہیں؟ یہ سوال محض ایک مغالطے پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو روح کائنات ہے وہ ہر کہیں ہے لیکن انسان تو اُسے کسی ایک ہی مقام میں دیکھ سکتا ہے۔ پھر اس کائناتِ دنیوی کی حدود میں دیدارِ رب ممکن نہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے جب فرمایا کہ میرے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا دیجئے تو ان کے رب نے فرمایا لن ترانی تم نہیں دیکھ سکو گے۔ پھر رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنی آیات دکھانا چاہتا تھا، اور انبیا سے ان کی ملاقات مسجدِ اقصیٰ میں کرانا معراج کا ایک جز تھا تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دائمی ہونے پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے۔

معراج کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ اسی سفر میں آپ ﷺ کو اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کا اساسی آئین عطا کیا گیا۔ ہجرت کا وقت قریب آ رہا تھا اور ہجرت کا مقصد یثرب کو مدینۃ النبی بنانا اور وہاں اسلامی ریاست کا قیام تھا اور یہ آئین ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

وَقَضیٰ رَبُّکَ

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے۔ اور فیصلہ کیا ہے؟ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ سے آیت ۳۷ تک اسلامی آئین کی دفعات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ عبادت صرف اللہ کی ہوگی (اس کا حکم ہی مملکت کا قانون ہوگا) الحکمُ للہ،

۲۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، اُن کا احترام اور اُن کے سامنے اپنے آپ کو بچھا دینا (معاشرتی زندگی کی بنیاد)

۳۔ رشتے داروں، مساکین اور مسافروں کے حقوق کی ادائیگی (انفرادی اور اجتماعی سطح پر، فلاحی معاشرہ)

۴۔ فضول خرچی سے گریز (اسراف ہی ملکوں کو غیروں اور عالمی اداروں کا دست نگر بنا دیتا ہے۔)

۵۔ اگر افراد (یا مملکت) کے وسائل محدود ہوں تو بھی ضرورت مندوں کے ساتھ اخلاق برتا جائے اور اگر انکار بھی کرنا ہو تو نرمی سے۔

۶۔ اقتصادیات کی بنیاد اعتدال اور میانہ روی پر رکھی جائے۔ حسنِ نیت سے رزق اور قومی آمدنی میں کشادگی پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ اقتصادی تقاضے ہی سب کچھ نہیں ہیں۔ ''قتلِ اولاد'' سے بچو۔

۸۔ زنا کے قریب نہ جاؤ، بدکاری معاشرے سے اس کی قوت چھین لیتی ہے اور رشتے مشکوک ہو جاتے ہیں۔

۹۔ انسانی جان کی حرمت لازم ہے۔ قتل ناحق سے مکمل گریز۔

۱۰۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ (رزقِ حرام معاشرت اور معیشت کے لئے زہر ہے)

۱۱۔ عہدو پیمان کی پابندی کرو (یہ ملکی استحکام اور عالمی امن کی ضمانت ہے)

۱۲۔ تجارت اور معیشت ہر قسم کی بددیانتی اور حق تلفی سے پاک ہو (ترازو دیانت اور عدل کی علامت اور استعارہ ہے)

۱۳۔ معاشرہ ''وہم و گمان'' سے بلند تر علم کی بنیادوں پر قائم ہو۔ (بدگمانی اور الزام تراشی سے اجتناب)

۱۴۔ غرور سے دور رہو (قومی عصبیت تباہی کا سبب ہے)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ ایک طرف معراجِ مصطفیٰ ﷺ نے فضاؤں اور آسمانوں کو مسلمان کا ہدف بنا دیا۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور دوسری طرف آسمانی ہدایت نے اس زمین کو وہ آئین عطا کیا جس کے تحت زندگی گزارنے سے انسان کے امکانات کی تکمیل ایک حقیقت بن جاتی ہے۔ یہ سب کچھ عبدیت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

عبدیت، مقامِ قرب ہے، یہ مقامِ قاب قوسین ہے۔ رسول اور نبی کا مفہوم واضح ہے اور اس پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ قرآنِ حکیم کے نازل ہونے کے سلسلے میں کئی مقامات پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''عبد'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور آسمانی صحیفوں کے نزول کا تذکرہ کرتے ہوئے دوسرے انبیائے کرام کے لئے بھی عبد اور عبادنا کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ یوں یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ قلب عبد، ہی اللہ کے پیغام کے بارگراں کو برداشت کرسکتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (۶)

اور اگر تم شک میں ہو اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے (عبد) پر نازل کی ہے، تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ، اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو۔

یہ خطاب ان عربوں سے ہے جو اپنی فصاحت پر نازاں تھے، جو اپنے سخن اور

(۶) سورۂ بقرہ آیت ۲۳

کلام کو انسان کے اظہار کا نقطہ آخر سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ دعوت دی کہ ایک سورت ہی قرآن کے مثل لے آؤ۔ اور سورۃ کے دائرے میں تو تین آیات بھی آ جاتی ہیں۔ سورۃ الکوثر میں تین آیات ہیں، سورۃ النصر میں بھی تین آیات ہیں، سورۃ الاخلاص میں چار آیات ہیں، قریش مکہ اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے، کیونکہ ان کے فصحا اور شعرا اپنے دل کی گہرائیوں میں اس حقیقت سے گریز نہیں کر سکتے تھے کہ یہ کلام بشر نہیں اور اس کلام کا سرچشمہ محض فصاحت و بلاغت سے ماورا ہے۔ سورۃ الکوثر کی قوت نے سبعہ معلقات کو نقش باطل بنا دیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ (۷)

سب تعریف اللہ کے لئے جس نے اپنے عبد پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں۔

''جس میں کچھ کجی نہیں''۔ قرآنِ حکیم کی کتنی ہی لفظی و معنوی خصوصیات اس بیان میں سمٹ آئی ہیں۔ عوج میں اردو اور دوسری زبانوں کے کئی الفاظ کا مفہوم سمٹ آتا ہے۔ ''ٹیڑھاپن''، ''کجی''، ''ناہمواری''، ''کسی معاملے کی برہمی''، ''کوئی فکری مغالطہ''، ''پیچ وخم''۔ اس کے مقابلے میں جو لفظ آتا ہے وہ ''قیما'' ہے۔ کجی کی نوعیت کے مطابق اسے آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ (کسی دیوار میں کجی)، اس کو فہم و شعور سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اور سمجھا جا سکتا ہے مثلاً کلام میں ناہمواری یا تضاد۔ کسی معاشرے کی ناہمواری کے اظہار کے لئے بھی عوج کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اللہ نے اپنے بندے پر جو کتاب نازل کی اس میں کجی کا کیا سوال۔ وہ تو ہر کجی، ہر خم اور ہر ناہمواری کو دور کرنے کے لئے عالمِ انسانیت کی طرف بھیجی گئی۔ اس کتاب کا مقصد ہی انسانی معاشرے میں ظلم کی جگہ

(۷) سورۃ کہف، آیت ۱

عدل، جہل کی جگہ علم، ناہمواری کی جگہ ہمواری، اور تنگی کی جگہ کشادگی کو قائم کرنا تھا۔ عہدِ کامل نے ہمیشہ کے لئے انسانی ذہن، انسانی قلب اور انسانی معاشرے کو وہ سکون عطا کیا جو آج بھی بے مثل ہے اور کل بھی بے مثل رہے گا۔ انسانی فکر ونظر کی تصحیح کا فریضہ بھی یہی کتاب انجام دیتی رہی ہے، آج بھی انجام دے رہی ہے اور مستقبل میں بھی یہی کتاب اور اس کی تعلیم انسانوں کو اطمینان عطا کرے گی۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًاO (۸)

بڑا صاحبِ برکت اور متبرک ہے وہ رب جس نے یہ فرقان (کتاب فیصلہ) اپنے عبد پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے نذیر ہو۔

سورۃ الفرقان کا آغاز کیسا جامع ہے کہ اس میں اللہ جل جلالہٗ، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن پر نازل ہونے والی کتاب، سب کا ذکر آ گیا۔ ہر برکت، ہر خیر کی کثرت، ہر نمود اور کثرت اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں سے بیشتر برکتیں اور خیر کثیر ہمیں نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے عطا کیا گیا ہے۔ یہ عبدِ خالص و اکمل وہ کتاب لے کر آیا جو فرقان ہے۔ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی اور حق و باطل کو الگ کر دینے والی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآنِ حکیم خود ہی حق و باطل کے درمیان فرق ہے۔ یہ وہ کسوٹی ہے جو ہمارے لئے حق و باطل کا تعین کر دیتی ہے۔ یہی کتاب ہمیں برے اعمال اور گمراہیوں سے خبردار کرتی ہے اور جنت و برکت کی بشارت دیتی ہے۔ ''نذیر'' کے لفظ میں کتاب اور صاحبِ کتاب دونوں کا احاطہ نظر آتا ہے۔ یہ کتاب بھی انتباہ ہے اور اس کتاب کو لانے والے بھی نذیر اور کفر و گمراہی کے ثمرات سے خبردار

(۸) سورۂ فرقان، آیت ۱

کرنے والے اور ڈرانے والے ہیں۔ پھر ''للعالمین'' کو بھی نظر میں رکھئے۔ اس عبداللہ اور رسولِ برحق کی رسالت تمام جہانوں اور زمانوں کے لئے ہے۔(۹)

اس سورۃ (الفرقان) کا اختتام عباد الرحمٰن کے ذکر پر ہوا ہے۔ اللہ کے عبدِ کامل نے جس جماعت کی تربیت کی وہ اپنے کردار و گفتار عمل اور رویوں میں اُس ''عبدِ کامل'' کے انوار کا پرتو تھی۔ یہ وہ تھے جن کی چال کی نرمی زمین پر قدم رکھنے کے انداز میں بھی عبدیت کی جھلک تھی اور جب جہالت کو اپنا طرزِ عمل بنانے والے اُن سے الجھتے تو وہ اُن کے لئے سلامتی اور سلامت روی کی دعا کرتے ہوئے اپنا راستہ بدل لیتے۔ کتنے ہی لوگ آج بھی ہمارے معاشرے میں اسی جاہلانہ اسلوبِ حیات کے نمائندوں کی طرح اہلِ حق سے الجھتے ہیں۔ یہ اہلِ حق کی بڑی آزمائش ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کریمانہ روش کے ساتھ تمسخر و جہالت کا یوں مقابلہ کیا کہ آپ انسان کی وسعتِ ظرف اور برداشت کی مثال بن گئے۔ یہ عباد الرحمٰن اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں اپنی راتوں کو پایانِ سحر تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان کے سجدوں میں اِن کے دیدۂ ترکا نم، اِن کے نالۂ شب کا نیاز، اِن کے قلب کا گداز شامل ہوتا ہے۔ اِن کی راتیں چراغِ عبادت سے روشن، اور اِن کے دن کاروبارِ حیات کو رضائے رب سے ہم آہنگ کرنے میں گزرتے ہیں۔ یہ اپنے رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید میں اپنی پیٹھوں کو بستروں سے الگ رکھتے ہیں اور دن کی جدو جہد کو عبادت کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو اپنی دولت کو حصولِ تعیشات کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ میانہ روی کے ساتھ وسائلِ حیات اور دولت کا استعمال یوں کرتے ہیں کہ زندگی اور خوبصورت، اور دوسروں کی زندگی احتیاج سے آزاد ہو کر بسر ہو سکے۔ یہ انسانی زندگی کی حرمت کو اور زیادہ محترم بنا دیتے ہیں اور اِن کی پیشانی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتی، یہ وہ ہیں جو اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو توبہ کے پانی سے دھو کر

(۹) سورۂ فرقان، آیت ۶۳، ببعد

اپنے وجود کے لباس کو بے داغ اور صاف ستھرا بنا لیتے ہیں اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے اپنے آپ کو مزین بنائے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو معرکۂ حق و باطل میں تماشائی اور جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے۔ اور ہر لغو کام اور منظر سے کرامت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ یہ اپنے گھر، اپنے ماحول اور معاشرے کو پاکیزہ تر بنانے کی جدوجہد کو حاصلِ حیات سمجھتے ہیں، اور اپنے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور ہمیں اہلِ تقویٰ کی امامت عطا فرما۔ اسی جدوجہد اور انہیں دعاؤں نے اُس اسلامی معاشرے کی تخلیق وتشکیل کی جو ہمارے لئے ایک مثال (Ideal) کا درجہ رکھتا ہے، اور اُس جیسے معاشرے کو دوبارہ انسانوں کی فلاح کے لئے قائم کرنا ہماری جدوجہد کا آخری نقطہ ہے۔

''عبادالرحمٰن'' کی اصطلاح میں یہ سارے پہلو سمٹ آتے ہیں۔ اللہ کے ان بندوں نے عبدِ اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے ذریعے ہی یہ مرتبہ حاصل کیا، اور آج بھی عبادالرحمٰن اسی ذاتِ اقدس کے نقوشِ قدم کو اپنا رہنما بناتے ہوئے سعادت اور نجات کے راستوں پر چل رہے ہیں۔ کسی آدمی کی زندگی میں سنتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک کس حد تک موجود ہے؟ یہ اُس کی بندگی کو ناپنے کا پیمانہ ہے۔ یہی وہ معیار ہے جس کے تحت ہم عبادالرحمٰن کی شناخت کر سکتے ہیں۔ جو مومن جس حد تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کرتا ہے، اُسی قدر اُس کی ذات میں اللہ کی محبت میں اضافہ ہوگا۔ اور یہی مغفرت اور گناہوں کی بخشش کا راستہ ہے۔ عبدِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصدِ عظیم انسان سازی تھا، انسانوں کی مغفرت اور نجات تھا۔ یہی ہدایت ہے اور یہی ہادیٔ کامل کی بعثت کی وجہ اور حکمت تھی۔

رحمۃ للعالمین اور کافۃ للناس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالیہ کے مختلف پہلو اور آپ ﷺ کی تمام صفات ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔ یہ رشتے بھی مختلف زاویے اور باہم وابستگی و پیوستگی کے اتنے اطراف و جوانب رکھتے ہیں کہ سیرت کا ہر مطالعہ کرنے والا اپنے طور پر ان میں ربط قائم کرسکتا ہے۔ بات فکر، نظر اور اشیا کے تعلق کو سمجھنے میں اپنے ذوق کی ہے۔

رسول، اللہ اور بندوں کے درمیان رابطہ ہے۔ وہ مقامِ بلند پر کھڑے ہو کر مستقبل کی بشارتوں سے نوازتا ہے اور اندیشوں سے خبردار کرتا ہے۔ یوں وہ نذیر و بشیر ہے اور پھر وہ شاہد و شہید ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت تو امم سابقہ اور قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے ہے۔ پھر آپ رسول الثقلین ہیں۔ انس و جن کے رسول اور ہادی۔ آپ ﷺ کائنات کی ہر مخلوق کے لئے رحمت بن کر آئے۔ پیاسی زمین اور پیاسی مخلوقات کو آپ ﷺ کی دعاؤں سے پانی، سرسبزی اور شادابی ملی، روحانی اور مادی قحط کو آپ ﷺ کے وجود کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دور فرمایا۔ روح مردہ جو خالق سے بیگانہ ہوگئی تھی آپ ﷺ کی تعلیمات کی وجہ سے حق سے دوبارہ جڑ گئی۔ ذات محمدی ﷺ تو اللہ کی ایسی رحمت ہے اور اس ''رحمۃ للعالمین'' کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اُس کو بھی کسی نہ کسی درجے میں بے اختیار رحمت کا حصہ

پہنچ جاتا ہے، چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب وانسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم وکافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت للعالمین ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر قیامت تک نبی آخر الزماں کی لائی ہوئی کتاب، آپ کی ذات اور آپ کی تعلیمات سے قائم رہے گا۔ اور اللہ کا ذکر ہی کائنات کی جان اور روح ہے۔ یوں سرورِ کائنات ﷺ روحِ کائنات ہیں اور اس سے بڑی رحمت اور کیا ہو سکتی ہے!

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ O (۲)

اور اے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

"اِلَّا" کے ساتھ یہ اظہار انتہائی قوتِ اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "ہم نے صرف رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا"، "اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا، سوائے رحمۃ للعالمین بنا کر"، "اور ہم نے آپ کو صرف عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" ویسے تو قرآن حکیم کی ترجمانی کسی بھی زبان میں محال کی حد تک پہنچنے والی بات ہے (ترجمے کا کیا سوال) لیکن ایسی آیات تو انسان کو اپنے عجز کا پوری طرح احساس دلا دیتی ہیں۔

حضرت قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کی کتاب رحمۃ للعالمین ہماری زبان میں سیرت کے موضوع پر کلاسیکی کتاب ہے۔ عالمِ اسلام کے ممتاز مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسے اپنی "محسن" کتابوں میں شمار کیا ہے۔ اس کتاب کی دوسری جلد کے چھٹے باب کا عنوان یہی آیت کریمہ ہے۔ ہم اس کا خلاصہ آپ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو ذکر للعالمین قرار دیا ہے۔ بیت المقدس اور مسجدِ حرام کو عالموں کے لئے برکت قرار دیا گیا ہے، عالموں کے لئے "ھدیٰ" (سببِ ہدایت

---

(۱) علامہ شبیر احمد عثانی، تفسیر عثانی، ۸۵۰ء (۲) سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۷

ہونا) مسجد الحرام کی اضافی صفت ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی اور اہلِ کشتی، حضرت مریمؑ اور اُن کے فرزند حضرت عیسیٰؑ کو عالموں کے لئے آیات قرار دیا گیا، لیکن رحمۃ للعالمین صرف محمدِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرار دیا گیا۔ جس میں یہ مفہوم خود بخود آ گیا کہ آپ کی نبوت بھی عالمین کے لئے ہے۔ وہی رحمۃ للعالمین ہوسکتا ہے جس نے بندوں کو اپنے معبود سے ملا دیا، دلوں کو پاکیزگی اور روح کو روشنی عطا کی، جو زندگی کے ہر مرحلے اور منزل میں سلطنت سے لے کر فقر تک انسان کی رہبری کر سکے، جس نے درندہ صفت انسانی پیکروں کو شرفِ انسانیت بنا دیا، جو مسکینوں، غلاموں، یتیموں، دردمندوں کا مولیٰ اور ملجا ہو، جو ظہورِ اولین اور نبیٔ آخرین ہوں، جس نے صدق، مساوات، اخوت کو ہمیشہ کے لئے مثالی انسانی معاشرے کی شناخت بنا دیا ہو۔ اگر ایسا نبی اور ایسا انسان رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیا نام ہوگا۔ ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری، اقوام کی بیگانگی، رنگتوں کا اختلاف، زبانوں کا تباین دور کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ، سب کے دماغوں میں ایک ہی تصور، سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا۔ رحمۃ للعالمین نے انسانوں کی نجات کو پروہت، برہموں، شیوخِ کلیسا کی اجارہ داری کے دائرے سے نکال لیا، برگزیدہ قوم اور نسل کے تصور کو ختم کر دیا۔ رحمۃ للعالمین نے خالق و مخلوق کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں رہنے دیا۔ رحمۃ للعالمین کی محفل میں عداس نینوائی، بلالِ حبشی، سلمانِ فارسی، صہیب رومی، طفیل دوسی، ذوالکلاع حمیری، ابوذر غفاری، ابوحارث مصطلقی اور سراقہ مدلجی، ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے ہم نشین اور ہم جلیس ہیں۔ یہاں ہر شخص اپنے اپنے ملک اور اپنی قوم کا حق وکالت ادا کر رہا ہے اور ہر شخص اپنے اپنے دامانِ دل کی وسعت کے موافق پھولوں سے جھولیاں بھر رہا ہے اور اپنے اپنے ملک کے مشامِ جاں کو معطر کر رہا ہے۔ اس دربار کا عبداللہ بن سلام اور صحفِ انبیاؑ کے عالم صرمہ بن انس کے علم میں ہر لحہ اضافہ کر رہا

ہے، اِس دربار میں نجاشی شاہِ حبشہ جسمانی طور پر موجود نہ ہوتے ہوئے بھی موجود ہے اور اپنے عریضے کے لفظوں کو اُس نے دل کی دھڑکن بنا دیا ہے۔ اِسی دربار میں اعلان ہو رہا ہے کہ یہودی، مسلمان اور عیسائی نسلی طور پر ایک دوسرے سے برتر نہیں۔ برتری ہے تو تقوٰی کی بنا پر۔ اسی دربار میں اعلان ہو رہا ہے کہ رسول کا کام احکامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (۳)

رحمت للعالمین تمام عالم کے ساتھ نیکی اور عمدہ سلوک کی تعلیم دے رہا ہے۔ وہ دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کا مطالبہ کرتا ہے۔ انصاف کرو کہ یہی تقوٰی سے قریب ہے۔

اِعْدِلُوْا ۖ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (۴)

رحمۃ للعالمین وہی ہے جس کے ذریعے اللہ نے اعلان فرمایا کہ اے اہلِ ایمان! اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور انصاف کے ساتھ شہادت دو۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے اس دنیا میں محبت و تقوٰی کے ساتھ، ساتھ رہنے والے میاں بیوی کو یہ بشارت دی۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ (۵)

رحمۃ للعالمین وہ ہے جس کے ذریعے اس کے رب نے اعلان کیا کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے اور جس نے ایک انسان کی زندگی بچائی اس نے ساری انسانیت کی زندگی بچائی۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے جنگ کو امن کا گہوارہ بنا دیا اور اللہ کا یہ اعلان ہم تک پہنچایا کہ اُس وقت تک جنگ کرو جب تک جنگ اپنے ہتھیار نہ ڈال دے۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے مسلمان کو یہ کہنے کے قابل بنا دیا۔

ہمارے دامن شمشیر سے مرہم نکلتا ہے

---

(۳) سورۂ مائدہ، آیت ۹۹ (۴) سورۂ مائدہ آیت ۸ (۵) سورۂ زخرف، آیت ۷۰

جہاں ہم آگ رکھ دیں چشمۂ زمزم ابلتا ہے

رحمۃ للعالمین نے تو ہمیں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے قیام و بقا کے لئے طاقت کے استعمال کی اجازت دی ہے

انسانوں کو ظلم و ستم، بدکاری اور زنا سے روکنا اور اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم دینا بھی رحمۃ للعالمینی ہے۔ ماں باپ کی خدمت اور اُن کے احترام کو عبادت کے درجے تک پہنچانا بھی رحمۃ للعالمینی ہے۔ شراب اور جوئے کی حرمت کے ذریعے انسانوں کے درمیان سے بغض و عداوت کے اسباب کو دور کرنا بھی رحمۃ للعالمینی ہے۔ (۶)

رحمۃ للعالمینی کے تخت پر بیٹھنے والا یہ بوریہ نشیں، قیامت تک انسانوں کے لئے اللہ کا سایہ بن کر انہیں سرفرازی اور مقامِ عبدیت کی عظمت اور ذمہ داریاں یاد دلاتا رہے گا اور اُسی کی تعلیمات وحدتِ آدم کی منزل کو قریب تر لارہی ہیں۔

رحمۃ للعالمینی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ صرف اُسی کی رسالت عالمِ انسانیت کے لئے کافی ہوسکتی ہے جو رحمتِ تمام ہو اور یہ نکتہ کئی بار عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت کے قیام تک انسانوں کے لئے کافی ہے۔ آپ ﷺ کی تبشیر اور تنذیر کے بہت سے گوشے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے سامنے آرہے ہیں اور اس طرح کہ انسان کا ذہن آہستہ آہستہ اس حقیقت کا انکشاف کررہا ہے کہ نبوتِ محمدی ﷺ اس کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔ تعصبات و تعیشات اور اپنے مفادات میں کھویا اور ڈوبا ہوا جدید انسان، بالخصوص مغرب کا انسان اپنے مخصوص ذہنی اور فکری پس منظر کی وجہ سے اس ہدایت اور بالخصوص اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج بھی گریزاں ہے۔ اسلام کا لفظ اس کے کانوں میں خوف کی گھنٹی کی طرح گونجتا ہے۔ اس نکتے کو اقبال نے بہت پہلے بیان کردیا تھا۔

---

(۶) آزاد تلخیص، رحمۃ للعالمین، علامہ قاضی سلیمان منصور پوری، ۱۹۹۱ء، ج ۲/ص ۳۱۲، ۳۲۳

لفظِ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقر غیور

اور ''فقرِ غیور'' کے تصور سے بیگانہ اور بے خبر یہ انسان اپنی خواہشات اور لذتوں کے بھنور میں چکرا رہا ہے، مگر جب اُسے کوئی حیات بخش تصور اور خیال ملتا ہے تو اس کا سلسلہ اسلام سے جا ملتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ○ (۷)

اور ہم نے (اے نبی ﷺ) تم کو بھیجا ہے سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر اور یہی تبشیر و تنذیر اُن کے لئے کافی ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

جو چیز کسی فرد یا جماعت کی کسی ضرورت یا ضروریات کو پورا کر دے وہی کفایہ ہے۔ اس پر غور کیجئے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ وہ چیز اتنی مقدار میں ہو جس سے ضرورت بخوبی پوری ہو جائے اور اُس سے زیادہ کی حاجت محسوس نہ ہو۔ اردو میں بھی ہم کافی کا لفظ اسی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

قرآنِ حکیم کی ایک آیت سورۂ الزمر کی آیت (۸) کا یہ ابتدائی حصہ بے حد مؤثر ہے اور ہمارے عربی زبان سے دور معاشرے میں بھی بار بار دہرایا جاتا ہے۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ ط

کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟

سوالیہ لہجے میں یہ اللہ کے کافی ہونے کا جامع ترین اور مستحکم ترین اعلان ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے، جس کو محفوظ رکھنا چاہے اس کے تمام دشمنوں کو بے دست و پا کر

(۷) سورۂ سبا آیت ۲۸ (۸) سورۂ زمر، آیت ۳۶

دے، زمین و آسمان کو اُس نے تخلیق فرمایا اور اپنے بندوں کو اُن کی ہر نعمت سے نوازا، اُس کی رحمت کو کون ہے جو روک سکے۔ اُسی ذات نے اعلانِ نبوت سے پہلے زبانِ قریش سے اپنے ہونے والے رسول کی امانت اور صداقت کا اعلان کرا دیا، اسی ذات نے غارِ ثور کے دہانے کو مکڑی کے جالے اور کبوتر کے انڈوں سے پناہ گاہ بنا دیا، اُسی ذات نے بدر کے میدان میں کفر کو سرنگوں کر دیا، اُسی اللہ نے اُحد کے نتیجے کو شکست کے داغ کی جگہ قوت کے نئے عہد کا دیباچہ بنا دیا، اُسی ذات نے صلحِ حدیبیہ کو فتحِ مبین کا عنوان دیا اور یوں تاریخ نے اسے اِسی طور پر اپنے دامن میں جگہ دی، اُسی ذات نے مکہ سے خاموشی کے ساتھ ہجرت کرنے والے کو اس شان سے مکہ معظم اور بیت الحرام میں داخل کیا کہ تاریخ کا وہ لمحہ دیدۂ حیران بن کر منجمد ہو گیا اور دیکھنے والی آنکھیں آج بھی اُس لمحے کو دیکھ رہی ہیں۔

انسانوں کے لئے فخرِ بنی آدم، فاتحِ بت کدۂ تصورات، محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے کافی ہونے اور پوری انسانیت کے لئے ہونے کی گواہی اللہ نے دی ہے، تاریخ نے دی ہے اور تاریخ مسلسل یہ گواہی دے رہی ہے اور قلب انسان سے یہ صداقت اب آواز بن کر اُبھر رہی ہے۔

قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً (۹)

اے رسول ﷺ کہہ دو کہ اے عالمِ انسانیت! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْراً (۱۰)

بڑی برکت والی ہے وہ ذات (اور ہمارا وہ رب) جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا (جس سے حق اور باطل الگ الگ

(۹) سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸ (۱۰) سورۂ فرقان، آیت ۱

ہو گئے) تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے خبردار اور متنبہ کرنے والا ہو۔

یہ ہے کافۃ للناس کی شان کہ اُسے درجۂ رسالت و نبوت پر فائز کرنے کے ساتھ ساتھ مقامِ ''عبدیت'' کا نشان اور مثال بنا دیا گیا اور یہ وہ مقام ہے جو عطا کرنے والے کی علوئے شان کی طرف ایک اشارہ ہے۔ ''سبحان اللہ'' ''سبحان الذی'' اور ''تبارک الذی'' کے الفاظ جہاں جہاں قرآنِ حکیم میں آئے ہیں وہ رب کائنات اور رب محمد ﷺ کے عظیم ترین احسانات و انعامات کا احاطہ کرتے ہیں۔

اس برکت والی ذات نے اپنے نبی ﷺ اور اپنے بندے ﷺ پر فرقان نازل کیا اور یوں حق و باطل کے درمیان ہمیشہ کے لئے خطِ امتیاز کھینچ دیا گیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت نے اشتباہ کے غبار سے ذہنِ انسانی کو نجات دلا دی۔ اب حق وہ ہے جس کی طرف قرآن بلاتا ہے اور باطل وہ ہے جس سے اللہ کی کتاب روکتی ہے۔ یہ ہے وہ کتاب جو اُن اعمال پر بشارت کا اعلان ہے جو انسان کو اللہ کی قربت سے نوازتے ہیں، کفر کو پست اور حق کو سربلند کرتے ہیں، یہ ہے وہ کتاب جو ہمیں شب کی تنہائیوں میں اُس ذات کے قریب تر از رگ جاں ہونے کا احساس دلاتی ہے جسے دیکھا نہیں، جو ماورائے تخیل و گمان و عقل ہے، اور اس کتاب کے اوراق میں اُس کی ہدایات کے نشان اُبھر کر یوں سامنے آ جاتے ہیں کہ جنت مومنوں کے لئے فاصلہ یک قدم بن جاتی ہے۔ صلی اللہ علیہ النبی الامی۔

وہی نبی کافۃ للناس ہو سکتا ہے جس نے اعلان فرمایا!

بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ (۱۱)

میں گورے اور کالے سب کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

یوں آپ ﷺ کی نبوت انسان کی وحدت کا اعلان ہے۔ وہ انسان جسے

(۱۱) مسند احمد، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء، ج ۶/ص ۱۷۹، رقم ۲۰۷۹۲

طاغوت ٹکڑوں ٹکڑوں میں، دھڑوں میں، ''شمال اور جنوب'' میں بانٹنے کی مسلسل کوشش کر رہا ہے اور بے خبر انسان کو اس کی خبر نہیں کہ رسالتِ محمدی ﷺ نے اُسے ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے روک رکھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ! وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

اور آپ ﷺ کی رسالت نے مشرق و مغرب کو مستقبل کے سفر کے لئے ایک دوسرے سے بہت قریب کر دیا ہے۔ شاید ابھی انسانیت کو دو چار سخت جھٹکوں کی ضرورت ہے۔ ایسے جھٹکے جو فراعینِ عہد حاضر کو اپنی فرعونیت کے دریا میں غرق کر دیں۔ اور یوں انسان محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساحل تک پہنچ جائے۔

یاں مشرق و مغرب میں تفاوت نہیں کشفی
دامانِ رسالت کی ہوا سب کے لئے ہے

اور آج

دیارِ مشرق سے لے کر دیارِ مغرب تک
یہ مشتِ خاک تری جستجو میں زندہ ہے

اور دامنِ رسالت کی ہوا قیامِ قیامت تک جھکتے ہوئے اور درماندہ انسان کے لئے سرچشمہ راحت ہے اور یہ جستجو اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک انسان اپنی جستجو میں کامیاب نہیں ہو جائے گا۔ ارشادِ نبوت ہے کہ میری بعثت اور قیامت اس طرح ہم رشتہ ہے جیسے یہ دو (پڑوسی) انگلیاں (اور پھر آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں دکھائیں) (۱۲) نبوتِ محمدی ﷺ، قیامت سے ہم کنار ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں، اس کے بعد کوئی پیغام نہیں، اس کے بعد کوئی کتاب نہیں۔

ہمارے لئے کافی ہے اس کی نبوت و رسالت، جو اپنے رب کے قادرِ مطلق ہونے کے لئے عظیم ترین ثبوتوں اور شہادتوں میں سے ایک ہے۔

---

(۱۲) ابن ماجہ/ج اص ۳۹۔ رقم ۴۵۔

ہمارے لئے کافی ہے اس کی نبوت، جس کی نبوت نے ہدایتِ انسانی کے باب میں ماضی، حال اور مستقبل کو ایک زمانہ بنا دیا ہے۔

ہمارے لئے کافی ہے اس کی نبوت جو انسان کے حقیقی وجود کے لئے ہوا، پانی اور غذا کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کے کلمات کی فضا میں ہم سانس لیتے ہیں، جس کا آب ہدایت ہمیں لہلہاتی کھیتی بنا دیتا ہے اور جس کی تعلیمات ہماری روحانی بقا کے لئے رزق کا درجہ رکھتی ہیں۔

اے اللہ! ہم تیرے اس اعلان کی صداقت کا زندہ ثبوت ہیں !

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ (۱۳)

ورنہ باطل تو ہمیں نیست و نابود کر دیتا اور پھر

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

جو قومیں مسلمانوں کو مٹانے کے لئے اٹھیں، مشیتِ الٰہی نے انہیں اسلام کا محافظ بنا دیا۔

(۱۳) سورۂ سبا، آیت ۲۸

قرآنِ حکیم۔رفعِ ذکرِ محمد عربی ﷺ کی ربّانی دستاویز

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے قرآنِ حکیم کو ''کتاب العجایب والغرایب'' قرار دیا تھا۔قرآنِ عظیم کے دامن میں تمام معلوم موضوعات وعلوم کے اشارے اور تفہیم کے قرینے موجود ہیں۔یہ انسان سازی اور سیرت سازی کی کتاب ہے۔یوں یہ نفسِ انسانی کے ہر پہلو کا احاطہ کرلیتی ہے۔انسان کی بلندیاں،انسان کی پستیاں،انسان کے ممکنات، انسان کی ملکوتیت، انسان کے سفلی رویے،انسان کے اندازہائے فکر اور اُن کی کجیاں، انسان کا اپنے آپ کو اللہ اور رسول ﷺ کے سپرد کرکے یداللہ کے مرتبے پر فائز ہونا اور تقدیرِ کائنات بن جانا۔کون سا ایسا پہلو ہے جو اِس کتاب میں موجود نہیں۔

انسانی زندگی کے بارے میں قرآنِ عظیم اس کائنات اور اس کی آیات کی شہادت لاتا ہے۔تاریخ کے آئینے میں انسان کو اُس کے خدوخال دکھاتا ہے۔انسان کے عروج وزوال، بلندی اور پستی کو تاریخ کے ساتھ جغرافیہ اور آسمان وزمین کی تخلیق کے حوالے سے بھی پیش کرتا ہے۔

قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے،لیکن عظیم سائنس دانوں نے قرآن حکیم کی

مدد سے اس دنیا کے حقائق کو سمجھا ہے۔ مغرب کے کتنے ہی جدید مفکروں اور سائنس دانوں نے حقائق کائنات کے سلسلے میں قرآنی بیانات کی صداقت کو تسلیم کیا ہے۔

قرآن حکیم نے ہمیں معاشرتی آداب سکھائے ہیں، آئین جہاں بانی و جہاں گیری کے مسائل اسی کتاب نے اہل ایمان کو عطا کئے ہیں۔ اسی کتاب میں انسانوں کے لئے سب سے نافع آئین مملکت ملتا ہے، (۱) یہی کتاب ہمیں اقتصادیات کے وہ اصول عطا کرتی ہے جو انسان کو انسان کے استحصال سے بچالیتے ہیں اور اقتصادیات کو اخلاقی رنگ اور روحانی آہنگ عطا کرتے ہیں۔

قرآن عظیم ہمیں استدلال کے مختلف طریقوں سے آشنا کرتا ہے۔ وہ ہمیں بحث ومباحثہ کے آداب کی تعلیم دیتا ہے۔ استدلال اور بحث ومباحثہ کا تعلق زبان کے ساتھ ہے، اسی لئے یہ کتاب ہمیں زبان اور اندازِ کلام کے دقیق نکات سے آشنا کرتی ہے۔ زبان لوگوں کو گمراہ کرنے کا وسیلہ نہیں بلکہ قولِ حسن اور قولِ سدید کو عام کرنے اور زندگی کا حصہ بنانے کے لئے ہمیں عطا ہوئی ہے۔ لہجے کی نرمی کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔

متشابہات اور محکمات کے سلسلے میں زبان فہمی اور اسلوب شناسی کا سبق بھی اسی کتاب کے مطالعے سے ملتا ہے۔ اس کتاب میں غوطہ زنی سے اجمال اور تفصیل کے اصولوں کے موتی ہمیں ملتے ہیں۔ قرآن حکیم کے لسانی پہلوؤں میں مفہوم، دلالت، اندازِ خطاب، قرآنی تشبیہات اور استعارے، کنائے، ایجاز اور اطناب بھی شامل ہیں۔

آج علوم کے آفاق وسیع تر ہوتے جارہے ہیں۔ علوم میں اس قدر تیز رفتاری سے اضافہ اور پھیلاؤ تاریخ کے کسی دور میں بھی نہیں ملتا، مگر آج کے جدید ترین علوم کے مرکزی خیال اور حقائق اس کتاب میں موجود ہیں۔ کل علمانے نحو، قواعد صرف ولغت علم الاصول، تاریخ، خواب اور اُس کی تعبیر، علم مواقیت، علم معانی و بیان علم ہندسہ،

(۱) ملاحظہ کیجئے: سورۂ بنی اسرائیل

علم الجبر والمقالہ، فلکیات، صنعت کاری کے بنیادی اصولوں کو قرآن حکیم میں تلاش کیا اور مرتب کر کے پیش کیا۔ آج خلا، فضائے بسیط، نفسِ انسانی کے نئے پہلو، سیاروں اور کہکشاؤں کی دنیاؤں کا مطالعہ اس کتاب عزیز کی روشنی میں کیا جار ہا ہے۔ اور یہ سارے علوم چھ ہزار سے کچھ زیادہ آیات کی اس کتاب میں موجود ہیں۔ اہل ایمان وعلم کی توجہ سے یہ مضامین واضح تر ہو کر اور اُبھر کر سامنے آرہے ہیں۔

قرآن مجید کے ایک ایک پہلو پر مستقل تصانیف موجود ہیں۔

ہمارے جن پڑھنے والوں کے پاس وقت ہو ان کے لئے ایسی کتابیں اردو میں بھی موجود ہیں۔

راقم الحروف اپنے پڑھنے والوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ کم سے کم علامہ جلال الدین سیوطی کی معروف کتاب الاتقان فی علوم القرآن کا مطالعہ کریں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ آسانی سے دستیاب ہے۔ علامہ سیوطی کا زمانہ ۸۴۹ھ سے ۹۱۱ھ تک کا۔ اس کتاب سے اندازہ ہو سکے گا کہ دسویں صدی ہجری کے آغاز تک قرآن کریم کا مطالعہ کس قدر وسعت حاصل کر چکا تھا۔ دسویں صدی ہجری سے پندرہویں صدی ہجری کے اس ابتدائی دور تک مطالعہ قرآن کے دائرے بہت وسیع ہو چکے ہیں۔

قرآن مجید ان تمام علوم اور موضوعات کا بحر ذخار ہونے کے ساتھ ساتھ انبیائے کرام کی سیرت و کردار کا آئینہ خانہ بھی ہے۔ اور خاص طور پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات، سیرت اور علوئے رتبہ کی ربانی دستاویز بھی ہے۔

نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ ہمارے محبوب اور ہمارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان فرمائیے۔ ظاہر ہے کہ اصحاب محمد ﷺ سے زیادہ اُن کے اخلاق سے کون واقف ہو سکتا ہے، ان کے اس سوال سے کئی نازک اور دل آویز نکتے اُبھرتے ہیں۔ وہ ذکر حبیب کو

وصل حبیب کی ایک صورت سمجھتے تھے اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کے ذکر سے اپنی زندگی کو آباد رکھنے کی تمنا رکھتے تھے۔ پھر امہات المومنین اور بالخصوص حضرت صدیقہؓ سے زیادہ حضور ﷺ کی زندگی کی نہایت اہم ساعتوں، خلوتوں اور گداز قلب کا محرم کون ہوسکتا تھا۔ حضرت صدیقہؓ کے انتخاب میں اُن کی علمیت اور تفقہ کا بھی دخل ہے۔ اس سوال کے جواب میں ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ کا اخلاق قرآن کی عملی اور جیتی جاگتی شکل تھا۔ آپ کا اخلاق قرآن تھا۔

کان خلقه القرآن (۲)

(۲) طبقات ابن سعد، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۷ء، ۱/۲۷۳

رفعِ ذکر

قرآنِ عظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ گرامی کی بلندی کی جاوداں دستاویز ہے۔ اُن کو نبی بنا کر ہماری طرف بھیجنے والے نے فرمایا۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ O (۱)

اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند کیا۔

اور یہ بات اُس وقت کہی گئی، اور اس وقت یہ بشارت اطمینانِ قلب کے لئے دی گئی جب مکہ مکرمہ آپ کی شدید ترین مخالفت کا مرکز تھا، جب آپ کی بات تالیوں کی گونج، بے ہنگم قہقہوں اور طنز و استہزا کے شور میں دبانے کی ہر ممکن کوشش کی جاری تھی۔ جب مکہ کا ہر ذرہ اسلام دشمنی کی مہم میں شریک معلوم ہوتا تھا، جب طاغوت سوز آواز اور پیغام کو سحر، شاعری اور کہانت کہہ کر رد کیا جا رہا تھا۔ جب سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اس مخالفت کے طوفان میں فطری اور بشری طور پر تنگی محسوس کرتے اور ایک بڑے بوجھ کا احساس فرماتے۔ اس فضا اور ماحول میں قرآن حکیم کی یہ سورۃ الم نشرح نازل ہوئی،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ O (۲)

---

(۱) سورۂ الم نشرح، آیت ۴ (۲) ایضاً، آیت ۱

اے نبی کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے کھول نہیں دیا۔

اور

وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ (۳)

اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا، جو کمر توڑے دے رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر اعتبار سے کشادگی دولت سے سرفراز فرمایا۔ کفر کی طغیانیوں میں آپ کے سینے کو اسلام اور اپنی نصرت کے یقین سے آباد کر دیا۔ ہر انتشارِ ذہنی کی دھند چھٹ گئی اور اپنے پیغام کے حق ہونے پر وہ اعتماد نازل فرمایا، جس سے ٹکرا کر ہر طاقت پاش پاش ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ شرح صدر بخشا جس نے کارِ نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے بوجھ کو سہل اور گوارا بنا دیا۔

آپ کے قلب طاہر پر کفر اور شرک کے اُن مناظر نے بڑا بوجھ ڈال رکھا تھا جو مکہ کے معاشرے میں عام تھے۔ آپ کے جدِ گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں ۳۶۰ بت پوجے جا رہے تھے، لات وہبل وعزیٰ کی جے کے نعرے فضا میں گونج رہے تھے، خشکی اور تری پر فساد پھیل چکا تھا۔ رقص وسرود اور شراب نوشی کی مجلسوں میں اہل عرب انسانیت کے ہر تقاضے کو غرقِ مئے ناب کر رہے تھے۔ ربا نے تجارت کو نجس اور ناپاک کر دیا تھا اور رزق حلال کے تصور سے ذہن ناآشنا ہو گئے تھے، جنسی جنون کی شدت کا یہ عالم تھا کہ تمام رشتوں کی حرمت اور تقدس نے دم توڑ دیا تھا۔ انسانی جان کی حرمت کا تصور بھی ذہنوں میں مٹ گیا تھا۔ جہالت کے ایک نعرے سے وہ جنگیں چھڑتیں جو یک نسل سے دوسری نسل تک، بلکہ تیسری نسل تک جاری رہتیں۔ ان میں سے ہر بات اس ذات کے لئے ایک بوجھ تھی جو مشرکین کی ہمدردی اور بہی خواہی کی وجہ سے راتوں کو

(۳) ایضاً، آیت ۲

جاگتی رہتی اور اُن کے ایمان اور سلامتی کے لئے دعا کرتی رہتی، جس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو رات کی تاریکیوں میں شمع کی طرح روشن ہوتے۔

ان تینوں آیات میں ''لک'' اور ''عنک'' کی معنویت پر غور فرمایئے۔ یہ لفظ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے امین ہیں اور یہ لفظ دل کی طرح دھڑک رہے ہیں۔ آپ کی خاطر اللہ نے آپ کا سینہ کھولا، اور آپ ہی کے لئے آپ کا بوجھ کم کیا گیا، اور آپ ہی کی خاطر آپ کے ذکر کے آوازے کو بلند کیا گیا۔

آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو یوں بلند کیا گیا کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک سورج کی آنکھوں نے رفع ذکر کی کوئی ایسی مثال نہیں دیکھی۔ آسمانوں کے دریچوں سے جھانکنے والے ستارے جو ہر واقعے کے تماشائی اور شاہد رہے ہیں، اس رفع ذکر پر حیران ہو گئے اور ان کی یہ حیرانی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

آپ ﷺ کے رفع ذکر کے پہلے کارندے تو قریش مکہ بنے جو ایام حج میں اطراف و اکناف سے آنے والوں کے پاس جا کر انہیں خبردار کرتے کہ اپنی ''متاع ایمان'' کو ہمارے کاہن اور ساحر سے بچائے رکھنا، اس کے الفاظ کے جادو سے اپنی سماعتوں کی حفاظت کرنا، اپنی بینائی کو اس کے چہرے کے طلسم سے بچائے رکھنا۔ وہ چہرہ جو دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ قریش کے ایسے کلام سے حج کے لئے آنے والی متلاشی روحوں اور متجسس ذہنوں میں اس کاہن، اس ''شاعر'' اس ''ساحر'' کو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا شوق پیدا ہوتا اور پھر وہ حیرت سے سوچتے کہ یہ ''آدمی'' نہ تو کہانت کے نمونے پیش کرتا ہے، نہ اس کا کلام شعر کی طرح فرضی اور خیالی ہے۔ وہ یہ بھی سوچتے کہ اللہ کی طرف بلانے والے اس شخص کے بارے میں قریش کسی ایک بات پر متفق کیوں نہیں ہوتے۔ کاہن، ساحر، مسحور، شاعر، مجنوں۔ آخر سچ کیا ہے؟ سچ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ

کا نبی ہو، اور نبوت کے تصور سے وہ بالکل نابلد نہ تھے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے بنائے ہوئے کعبہ شریف کو ان کی زندگی میں اس عالم گمراہی میں بھی بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

حج کے لئے آنے والوں کے دل اسلام کے لئے کھلتے گئے اور یثرب کے لوگوں کی سماعتوں نے اس پیغام کو قبول کیا، اُن کی بصارتوں نے مکہ کے محمد بن عبداللہ کے چہرے پر تحریر نبوت کو پڑھ لیا۔

پھر اسلام کے ''آزاد سفر'' کا دور مدینہ منورہ میں شروع ہوا۔ مدینہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اسلام کے پہلے مشہود، بنیادی ادارے کے طور پر مساجد تعمیر کی گئیں۔ اس کے بعد اذان کو اسلام کے اساسی رکن نماز کے ساتھ وابستہ کر کے اسلام کے منشور اور اعلان کا درجہ دیا گیا۔ اسلامی ریاست کی حدود میں اضافہ ہوتا گیا اور مسجد اسلامی بستیوں کا نشان ٹھہری۔ صدیاں سفر کرتی رہیں اور مشرق کے انتہائی بعید کنارے سے مغرب کے انتہائی بعید کنارے تک، شمال کے انتہائی بعید کنارے سے جنوب کے انتہائی بعید کنارے تک، مساجد کے مینار اُبھرتے گئے اور چودہ صدیوں سے زیادہ عرصے سے یہ مینار اور مساجد کی محرابیں اشھدان لا الہ الا اللہ کے ساتھ ساتھ اشھدان محمد رسول اللہ کی آوازوں سے گونج رہی ہیں۔ یہ آواز گردش مہر و ماہ پر غالب آ چکی ہے۔ زمین کا کون سا چپہ ایسا ہے جہاں کسی نہ کسی وقت یہ آواز بلند ہو کر فضا کو مرتعش نہ کرتی ہو اور محمد عربی کا اسم گرامی سن کر اہل ایمان اور مناظر حیات و کائنات تحفۂ درود و سلام نہ بھیجتے ہوں۔ اللہ اور محمد (ﷺ) کے اسمائے مبارکہ سے دل کائنات نہ دھڑکتا ہو۔ اور ان ناموں کی گونج کا سلسلہ وقت کو اپنے احاطے اور دائرے میں لئے ہوئے ہے۔ اور بات اذان تک محدود نہیں۔ خطبے میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی شامل ہے، اقامت میں یہ

اسم گرامی شامل ہے، تشہد میں یہ اسم گرامی شامل ہے۔

رفع ذکر خاتم الانبیاء ﷺ کی شکلیں کتنی متنوع اور گوناگوں ہیں۔ نالۂ نیم شبی اور نغمۂ سحر گاہی میں اسم محمد قلب کی دھڑکن اور ہونٹوں کا ترانہ بن جاتا ہے۔

پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش ہو یا افغانستان اور دنیائے عرب ہو، اقصائے مغرب ہو، یا ولایاتِ فرنگ، اشتراکی چین ہو یا سرمایہ پرست امریکہ، جاپان ہو یا مشرق بعید کے ممالک انڈونیشیا اور ملائشیا، دنیا کے ہر ملک میں ہر رات بچوں کو سلاتے وقت ماؤں کے ہونٹوں پر یہ سرمدی نغمہ اُبھرتا ہے۔

حسبی ربی جل اللہ

ما فی قلبی غیر اللہ

لا الہ الا اللہ

نورِ محمد صلی اللہ

اور اس نغمے سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ عالم اسلام کی سرحدوں کا تعین یہی نغمہ کرتا ہے۔

" صوفیوں کے حلقۂ ذکر میں افضل الذکر لا الہ الا اللہ کی ضرب محمد رسول اللہ کے کلمات ہی بنتے ہیں۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ وہ حرف تسلی تھا جس نے مکہ کے اُس صبر آزما دور میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو حوصلہ عطا کیا، قربت الٰہی کا عظیم تجربہ ان الفاظ میں سمٹ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کلام الٰہی کو کون سمجھ سکتا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب آپ پر نازل فرمائی اور اس کے مفاہم ومطالب آپ پر روشن کیے۔ حضور ﷺ نے اپنے یقین کو اور مستحکم کرنے اور اس حرف تسلی کو اور گہرائی دینے کے لیے حضرت

جبریل امین سے ورفعنالک ذکرک کی حقیقت دریافت فرمائی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا، اِذَا ذُکِرتُ ذُکِرتَ مَعِی (۴)

اور اس حقیقت کا مشاہدہ آج ہم میں سے ہر ایک کر رہا ہے۔ کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے وہاں اُن کے رسول اور بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔

آیئے رفع ذکر کے اس مختصر سے بیان کو قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری صاحب رحمۃ للعالمین کے الفاظ پر ختم کریں۔

> بحرالکاہل کے مغربی کنارے سے لے کر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارے تک رہنے والوں میں سے کون ہے جس نے صبح کے روح افزا جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو، جس نے رات کی خموشی میں اشہد ان محمد رسول اللہ کی سریلی آواز کو جاں بخش نہ پایا ہو؟ یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کی ہستی کے بہتری آغاز و انجام کے اعلام سے سامعہ نواز ہیں۔

کیا رفعتِ ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے؟ آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں، کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز و شب اس طرح پر کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان ہے کہ پردہائے گوش کو چیرتا ہوا قعر قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ ہاں وہ اعلان صرف اس کے نام ہی کا اعلان نہیں، بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں بلکہ اس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

---

(۴) رحمۃ للعالمین/ جلد سوم/ ص ۲۵

بیشک یہ اعلیٰ خصوصیت صرف اسی برگزیدۂ انام کے نامِ نامی کو حاصل ہے جس کی رفعتِ ذکر کا ذمہ دار خود رب العالمین بنا ہے اور جس کی بابت یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی کہ اس کے نام کو برکت دی جائے گی۔(۵)

(۵) بحوالہ بالا/ص ۲۶،۲۵

آپ کی جان کی قسم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ آپ سے زیادہ اکرام و احترام کسی کو بارگاہ رب العزت میں حاصل نہیں۔ ایک طرف آپ کے ذکر کو بلند کیا گیا اور دوسری طرف حق تعالیٰ نے آپ کی جان اور عزت کی قسم کھائی ہے۔

لَعَمْرُکَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَکْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ O (۱)

اے نبی ﷺ! آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

یہ قسم اُس تاریخی لمحے اور منظر کی توثیق کے لئے کھائی گئی ہے جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والے اُن کے مہمانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے تھے اور حضرت لوطؑ ان سے کہہ رہے تھے کہ لوگو! مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ عذاب سے پہلے کی ساعت تھی اور پھر سورج نکلتے نکلتے سخت آواز کے دھماکے نے اُن کو آ لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

اس واقعے کی صحت اور شدت کے اظہار کے لئے رب العزت نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

---

(۱) سورۃ الحجر، آیت ۷۲

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابونعیم اور ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات و کائنات میں کسی کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت و مرتبہ عطا نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا فرشتے کی حیات پر کبھی قسم نہیں کھائی اور اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر و حیات کی قسم کھائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔ (۲)

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر قرآن حکیم کی قسموں پر مختصراً گفتگو کی جائے۔

قرآن حکیم کی قسمیں قرآنی مطالعے کا ایک مستقل عنوان اور باب ہیں۔ اس موضوع پر حافظ ابن قیمؒ کی تالیف التبیان فی اقسام القرآن نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنی تالیف الاتقان فی علوم القرآن کی نوع ۶۷ میں قرآن کریم کی قسموں پر کلام کیا ہے۔

قسم سے خبر کی تحقیق اور توکید مقصود ہوتی ہے۔ ''و'' حرف قسمیہ ہے، لیکن خبر سے بھی قسم کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ مثلاً

وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۳)

اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بیشک منافقین جھوٹے ہیں۔

اللہ رب العزت نے یوں اس پیرائے میں اپنی قسم کھائی ہے۔

تحقیق و توکید کے علاوہ قسم، محاورۂ اہل عرب کا اہم حصہ تھی، اور قرآن حکیم محاورہ اہل عرب کی بے مثال مثال ہے۔

ہمارے لئے اللہ کے سوا کسی مخلوق کی قسم کھانا منع ہے۔ ہمارا شاہد اور گواہ وہی ہے جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور کائنات کی ہر چیز، خواہ ابھی وقوع پذیر بھی نہ ہوئی ہو اس کے دائرہ علم میں شامل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے کہ وہ اپنی ذاتِ عالیہ کے علاوہ

(۲) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن/ص ۲۹۵ (۳) سورۂ یوسف، آیت ۹۲

اپنی مخلوقات کو بھی اپنے قول کی شہادت کے طور پر پیش کرے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے سات مقامات پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ افعال وصفاتِ رب کریم کے علاوہ قرآن کریم کی قسم بھی موجود ہے۔

قرآنِ عظیم میں ارض وسماوات، فرشتوں، مقاماتِ مقدسہ، ستاروں، سورج کی چڑھتی ہوئی روشنی، رات (اور اس کی نشانیوں) کی قسم کھائی گئی ہے اور اُن چیزوں کی قسم جو اللہ تعالی کی عظیم قدرت اور اقتدار کی مظہر ہیں۔ مخلوقات کی قسموں میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ''تین'' اور ''زیتون'' کی قسموں میں رب محذوف ہے۔ ''ورب التین'' اور ''رب الزیتون'' یہ بات بدیہی اور بہت واضح ہے۔ فاعل کے بغیر مفعول کا وجود ممکن نہیں۔

قرآنِ حکیم کی قسموں کا اُن مضامین وموضوعات سے گہرا رشتہ ہے جو قسم کے بعد پیش کیے گئے ہیں۔ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے وہ اس مضمون کی صداقت پر شہادت دیتی ہے۔ کہیں کہیں کئی قسمیں ایک ساتھ آ گئی ہیں، مثلاً سورۃ الشمس کی پہلی سات آیتوں میں سات قسمیں ہیں۔

١۔ سورج کی اور دھوپ چڑھنے کی
٢۔ چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آئے
٣۔ دن کی قسم
٤۔ رات کی تاریکی کی قسم
٥۔ آسمان کی اور اُس کی تخلیق کی قسم
٦۔ زمین کی اور اس کے بچھائے جانے کی قسم
٧۔ انسانی نفس اور اس کی درستگی کی قسم

جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ان کے تضاد اور پھیلاؤ سے انسان کے بامراد اور

کامگار اور نامُراد ہونے کی حقیقت اور مسائل اُبھر کر سامنے آ گئے۔ اپنے نفس کو سنوارنے والا منزل تک پہنچ گیا، اور نفس کو خاک میں ملانے والا خسران میں مبتلا ہوا۔ تقویٰ اور فجور کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور انسان کو ان میں سے کسی ایک کو چلنے کا اختیار عطا کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید کی قسمیں اللہ تعالیٰ کے دین اور راہِ ہدایت، انسانی تقدیر اور مسائلِ کائنات پر حاوی ہیں اور ہمارے دل اور ذہن کو نیکی کی حقیقت اور ہماری حقیقت پر مطلع کرتی ہیں۔

قرآنِ حکیم کی قسموں کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ ہمارا موضوع نہیں، اور ویسے بھی اس کتاب عظیم کی تمام حکمتوں کو کون سمیٹ سکتا ہے۔ یہ حکمتیں تو آہستہ آہستہ گردشِ ماہ وسال کے ساتھ اُبھر کر ہمارے سامنے آ رہی ہیں، لیکن ایک پہلو پر گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی بہت سی قسمیں رسول رب العالمین کے رتبے اور ان کی رسالت کی صداقت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں۔

سورۂ النجم مکی سورۃ ہے جس میں ذکرِ معراج بھی ہے۔ مکی دور کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص طور پر دل دہی کی ہے اور حرفِ تسلی سے نوازا ہے۔ عام الحزن کے بعد آپ ﷺ کو معراج جیسی عظمت اور تحفہ عطا ہوا۔ سورۂ النجم کی ابتدائی چار آیتوں میں صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم کے علوئے مرتبہ کا ذکر ہے اور ستارے کو اس پر گواہ بنایا گیا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (۴)

قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہوا، تمہارا رفیق نہ بھٹکا نہ بہکا ہے۔ وہ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ تو وحی ہے جو اس پر

(۴) سورۂ نجم، آیت ۱ تا ۴

نازل کی جاتی ہے۔

ستاروں کو انسانی تاریخ میں رہنمائی کے لئے استعمال کیا گیا اور مخصوص حالات میں ستارے آج بھی قافلوں کی رہنمائی کرتے ہیں، بالخصوص ریگستانی علاقوں میں جہاں رات کو سفر کیا جاتا ہے، اور جدید آلاتِ رہنمائی موجود نہ ہوں۔

یہاں ستارے کے غروب ہونے یا غروب شدہ ستارے کی قسم کھائی جارہی ہے، یعنی اندھیرا غائب ہو چکا ہے اور کائنات کی ہر چیز روشن طور پر سامنے ہے۔ یہ روشنی اس بات کی شاہد ہے کہ تمہارے رفیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر اختیاری اور غیر اختیاری بہکاوے اور بھٹکنے سے محفوظ ہیں۔ ستارے کے سفر اور آفتابِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سفرِ نبوت میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ:

> جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستے پر چلے جاتے ہیں، کبھی اِدھر اُدھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے، آفتاب نبوت ﷺ بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستے پر برابر چلے جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم اِدھر یا اُدھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو اُن کی بعثت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو، انبیا علیہم السلام آسمانِ نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام انبیا کی تشریف بری کے بعد آفتابِ محمدی ﷺ مطلع عرب سے طلوع ہوا، پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اُس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو

ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہئے، جن سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔(۵)

سورۂ البلد کا آغاز مکہ معظمہ کی قسم سے ہوتا ہے اور دوسری آیت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تخاطب ہے اور اس طرح بلد الامین اور رسول الامین کا رشتہ اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۝ (۶)

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی، اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر یعنی مکہ کی قسم کھائی ہے۔ مکہ مکرمہ جس کے آغوش میں کعبۃ اللہ ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر۔ اگلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ ان دونوں آیات کے معنوی ربط سے یہ مفہوم بھی اُبھرتا ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ اس میں رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ہے۔ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ میں یہ مفہوم موجود ہے۔ ان الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ سامنے آتا ہے کہ جس حرم میں جانور کا شکار نہیں کیا جاتا اور جس کی حرمت کا مشرکینِ قریش اتنا خیال کرتے ہیں وہاں ہر ظلم وستم آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقا کے لئے حلال کر لیا گیا ہے اور تیسرا مفہوم ایک عظیم پیش گوئی ہے۔ فتح مکہ کی خبر اور بشارت، اس اعتبار سے دوسری آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ عن قریب یہ شہر کفر کی بیخ کنی کے لئے آپ کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ فتح مکہ کے موقع پر ایک دن کے لئے احکامِ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معطل کر دیئے گئے

(۵) مولانا شبیر احمد عثمانی / تفسیر عثمانی / مطبوعہ مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، مدینہ منورہ، / ص ۶۹۸ (۶) سورۂ البلد، آیت ۱ تا ۲

تھے۔ اگرچہ فتح مکہ اس اعتبار سے ایک تاریخی معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے تمام دشمنوں کے لئے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (۷) لیکن دو ایک افراد جن کے جرائم ناقابل معافی تھے فتح مکہ کے موقع پر قتل کیے گیے۔

سورۂ یٰس میں قرآنِ حکیم کی قسم رسالت محمدیہ ﷺ کی توکید و اثبات کے لئے کھائی گئی ہے۔

یٰسٓ O وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ O اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ O علٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O (۸)

یٰس۔ قسم ہے قرآنِ حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو (اور) سیدھے راستے پر ہو۔

سورۂ یٰس مکی سورہ ہے۔ یہ مکی عہد کے اُس دور اور مرحلے کی سورۃ ہے جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قوت اور پامردی سے قریش اور اہل مکہ کو ان کی روش حیات کے نتائج سے ڈرا رہے تھے۔ یٰس کو اس کی حیات بخش تعلیم اور انداز کی وجہ سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا دل قرار دیا، اور اس کی حیات بخشی کے اس پہلو پر غور فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

سورۂ یٰس اپنے مرنے والوں پر پڑھا کرو۔

اس کی مصلحت یہ ہے کہ موت کے تجربے سے مومن اس یقین کے ساتھ گزر سکے کہ موت جنت اور حیات ابدی کا دروازہ ہے۔

سورۂ یٰس کی یہ چار ابتدائی آیات اور ان میں قرآن حکیم کی قسم، سرورِ سروراں صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ بلند کی ایک اور شہادت ہے۔ قرآن حکیم کے حروف مقطعات کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ ان کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لیکن یٰس کے

(۷) سورۂ منافقون، آیت ۱ (۸) سورۂ یٰس، آیات ۱ تا ۴

بارے میں صحابہ کرامؓ، تابعین اور بعض ممتاز مفسرین قرآن حکیم کا قول ہے کہ یٰسٓ کے معانی ہیں ''یا انسان''۔ بعض کے نزدیک یہ ''یا سیّد'' کا مخفف ہے۔ اور ان دونوں مفاہیم میں سے آپ کسی کو قبول کریں، دونوں صورتوں میں یہ خطاب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، کیونکہ آپ ہی انسانوں کے عظیم ترین نمائندہ ہیں، اور آپ ﷺ ہی اولادِ آدم کے سیّد ہیں۔ یٰسٓ کے یہ معانی حضرت ابن عباس، عکرمہ، ضحاک، حسن بصری، ابن جبیر وغیرہ سے منقول ہیں۔ (۹)

اس خطاب کے بعد قرآن حکیم کی قسم رب العزت نے کھائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے پردے میں اہلِ عرب اور قیامت تک کے انسانوں کو یہ بات بتائی گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ وہ جس راستے کی دعوت دے رہے ہیں وہی انسانوں کے لئے سیدھا راستہ ہے۔

قرآن کریم کے لئے یہاں حکیم کی صفت کا استعمال بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اظہار کے لئے ہے۔ قریش اور اہلِ مکہ کو (ان کے بعد سارے انسانوں کو) اُن کا رب یہ بتا رہا ہے کہ قرآن حکیم کی حکیمانہ تعلیمات اور اس کے حیات بخش وحیات ساز تصورات، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبیٔ برحق ہونے کا ثبوت ہیں۔ یہ وہ کلام ہے جس کے بارے میں منکرینِ حق کو دعوت دی گئی کہ اس کے مثل ایک ہی سورۃ لے آؤ۔ اور ایک سورت تو بڑی بات ہے ایک آیت ہی لے آؤ۔ اور سب نے اپنے آپ کو عاجز پایا۔

ہم نے فخرِ زمین وزمن صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ گرامی اور مرتبہ عالی پر گفتگو کا آغاز سورۂ الم نشرح کی آیت و رفعنا لک ذکرک سے کیا تھا۔ مفسرین اور قرآن حکیم

---

(۹) ملاحظہ کیجئے تفسیر روح المعانی، علامہ آلوسی، البغدادی، بیروت، ج ۲۲/ص ۲۱۰، ومواہب الرحمٰن، امیر علی ملیح آبادی، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ج ۲۲، ص ۲٦۰۔

کے معنوی ربط پر ذکر رکھنے والے سورۂ الضحیٰ اور سورۂ الم نشرح کو توام سورتیں قرار دیتے ہیں۔ قرآنی قسموں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ، نبوت اور صداقت کے اس مختصر بیان کو ہم سورۂ الضحیٰ پر ختم کریں گے۔ انشاء اللہ

سورۂ الضحیٰ نبوت محمدی ﷺ کے ابتدائی عہد کی سورہ ہے۔ اس عہد کی سورتوں میں توحید، آخرت اور ایمانیات کا ذکر ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبتِ الٰہی کا وہ اظہار ہے جو کارِ نبوت کی گراں باری کو آسان اور سہل بنانے کے لئے ضروری تھا۔

ابتدائے نبوت میں مختصر وقفوں کے لئے سلسلۂ وحی ایک بار سے زیادہ مرتبہ منقطع ہوا۔ سلسلۂ وحی کے آغاز کے کچھ عرصے بعد ہی وحی کا سلسلہ بند ہوا جسے زمانۂ فترتِ وحی کہتے ہیں۔ وحی کا تجربہ ایک عظیم تجربہ تھا۔ وحی الٰہی کے بوجھ کو صرف رسول کے اعصاب اور اس کا قلب ہی سہار سکتا ہے، ورنہ اس بوجھ سے تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ بعد کے دور میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نزولِ وحی، معمول کا تجربہ بن گیا تھا، وحی کے نازل ہوتے وقت اگر آپ ﷺ کسی اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی اپنے پیٹ کو زمین سے لگا دیتی اور بیٹھ جاتی۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ مختصر عرصوں کے لئے وحی کے سلسلہ کو روک دیتے۔ یہ وقفہ اتنا ہی ناگزیر اور فطری تھا۔ جیسے دن کی روشنی اور ہنگاموں کے بعد رات کی تاریکی اور سکون جو انسان کو نیند کی دولت عطا کر سکے، اسی لئے اس سورہ کا آغاز دن کی روشنی اور رات کے سکون و سکوت کی قسموں سے ہوا ہے۔

وَالضُّحٰیO وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰیO (۱۰)

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی (روزِ روشن کی) اور رات کی جب چھا جائے۔

اور ان دونوں قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور حبیب محمد صلی اللہ

(۱۰) سورۂ والضحیٰ آیت ۱۔۲

علیہ وسلم کو اپنی تسلی سے نوازا۔ آپ کو اپنے لطف و کرم سے یقین دلایا کہ وہ آپ سے ناراض نہیں اور نہ اس نے آپ کو چھوڑا ہے۔ یہ تو محض تمہید ہے۔ اس کے بعد رب ذوالجلال نے بشارت دی کہ آنے والا دور بہتر ہوگا اور وہ اپنے رسول ﷺ کو اتنا کچھ عطا کرے گا کہ آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰیO وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰیO (۱۱)

تمہارے رب نے تم کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور آنے والا دور (آخرۃ) پچھلے دور (اولیٰ) سے بہتر ہے۔

رسول کا تکیہ اور سہارا اس کا رب ہوتا ہے۔ وہ اس کے پیغام ہدایت کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ساری دنیا کی مخالفت اور دشمنی مول لیتا ہے۔ وہ غیر اللہ کی خوشنودی اور ناراضگی کے خیال سے بالاتر ہوتا ہے۔ رب راضی تو جہاں راضی۔ رضائے رب انعام رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودگی کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ نوید دی کہ آخرت، اولیٰ سے بہتر ہے۔ اس آیت کا بنیادی اور پہلا مفہوم وہ حقیقت ہے جو ہر رسول کے پیغام کا بنیادی حصہ رہی ہے۔ آخرت اور آنے والی دائمی زندگی یقیناً اس دنیا اور اس کی عارضی زندگی سے بہتر ہے۔ یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ لیکن اس سورۃ کے سیاق و سباق، پس منظر اور موضوع کے پیش نظر یہ بات ایک بدیہی حقیقت کی طرح اُبھرتی ہے کہ یہاں آخرت اور اولیٰ کے معانی میں پچھلا اور موجودہ دور اور آنے والا دور شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مژدہ سنایا کہ ان آزمائشوں، قریش کی ایذا رسانی اور اُن کے طنز و استہزا سے غمگین نہ ہوں۔ یہ کون ہیں یہ کہنے والے کہ تمہارے رب نے تمہیں چھوڑ دیا۔ ہم تمہیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ ہر آنے والا مرحلہ اور دور، پچھلے مرحلے اور دور سے

(۱۱) ایضاً، آیت ۳۔۴

بہتر ہوگا۔ غم کے بادل چھٹ جائیں گے اور حقیقی مسرتیں تمہاری اور اہل ایمان کی زندگی کے مطلع پر چھا جائیں گی اور اللہ کا ابر رحمت، مسلمانوں کی زندگی کو سرسبز و شاداب کر دے گا، مخالفتیں دم توڑ جائیں گی، دنیا تمہارے پیغام کو قبول کرلے گی، اور بات اس دنیا تک محدود نہ رہے گی بلکہ آنے والی دنیا اور زندگی تو تمہارے اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی خوشنودی کا قائم رہنے والا اظہار اور اعلان ہوگی۔

ہر بشارت، ہر خوش خبری اور ہر سعادت اس وعدے میں سمٹ آئی ہے کہ تمہارے لئے آنے والا زمانہ، پچھلے زمانے سے بہتر ہوگا۔ اور اللہ سے زیادہ صادق القول کون ہوسکتا ہے۔ اور مستقبل کی ان بشارتوں کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی اُن تبدیلیوں کو بنایا گیا ہے جو قریش مکہ کی نگاہوں کے سامنے تھیں۔ قریش جانتے تھے کہ پیدائش سے پہلے ہی آپ کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، لیکن آپ کو اس طرح پرورش اور شفقت کے سائبانوں کے نیچے رکھا گیا کہ جس کی مثال کسی یتیم کی زندگی میں نہیں ملے گی۔ چھ سال کی عمر تک ام النبی حضرت آمنہ کی آغوش مہر وعطا میں آپ نے سانس لی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کی زندگی پر سایہ گستر رہے، وہی عبدالمطلب جو رب کعبہ پر اٹوٹ یقین رکھتے تھے۔ وہ ابرہہ کے لشکر والوں سے اپنے اونٹ واپس مانگنے گئے تھے، اور کعبے کے بارے میں پورے یقین سے کہا تھا کہ اس کی حفاظت اس کا رب کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے ہی وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بطن آمنہ میں پرورش پانے والا بچہ جب اس دنیا میں آئے گا تو زندگی کے ورق پر اپنا نشان ثبت کر دے گا۔ ان کی وفات کے بعد ابوطالب آپ کے کفیل اور سرپرست بنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ اللہ کی اُن طاقتوں میں شامل ہوگئے جن کا کام نبی آخرالزماں ﷺ کی حفاظت کرنا تھا۔

اور پھر اہل مکہ نے یہ بھی تو دیکھا تھا کہ بت پرستی، فسق و فجور، عیش و عشرت اور ظلم کی چھائی ہوئی فضا میں پلنے والا یہ نونہال اگرچہ معاشرے کی ہر گمراہی سے محفوظ رہا،

لیکن اُسے اپنی منزل کی خبر نہ تھی۔ اُسے اپنی منزل تو عہد شباب کے نقطہ عروج پر ملی جب حیرانی اور تلاش کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے ایمان، رب شناسی، کائنات فہمی اور انسان سازی کی اس دولت میں بدل دیا جسے نبوت کہتے ہیں۔

اہل مکہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اپنی عالی نسبی کے باوجود آپ کے دامن میں دولت دنیا نہ تھی۔ پھر رب جلیل نے آپ کو رزق کریم سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو آپ ﷺ کو مکہ کی سب سے باثروت خاتون کا تجارتی نمائندہ اور شریک تجارت بنایا اور پھر ان خاتون کی عائلی زندگی، وجود محمدی کے نور سے روشن ہوگئی اور وہ آپ کی شریک حیات بن گئیں۔ ایسی شریک حیات جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، جس کا گھر پہلا دارالاسلام بنا، جس گھر کی فضاؤں میں علی مرتضیٰ کی پرورش ہوئی، اور جہاں زید بن حارثہ تکریم آدم و آدمیت کا نشان بنے، اور محبت نبی کے عظیم نشانوں اور علامتوں میں سے ایک قرار پائے۔ یہ سارا پس منظر اور بشارت عظمیٰ چار آیتوں میں سمٹ آئی ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ O أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ O وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ O وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ O (۱۲)

اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا ہم نے تمہیں یتیم نہیں پایا اور پھر (عزت کا) ٹھکانا دیا اور ہم نے تمہیں متلاشی (اور حق کے لئے سرگرداں) نہیں پایا اور پھر راہ دکھائی، اور ہم نے آپ کو نادار پایا پھر آپ کو غنی کر دیا۔

سورۂ ضحیٰ، سورۂ الم نشرح، سورۂ کوثر، سورۂ محمد، سورۂ فتح، قرآن حکیم کی کئی سورتوں اور بہت سے مقامات کی طرح رفع ذکر محمد ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد

(۱۲) ایضاً، آیت ۵ تا ۸

صاحبِ خیرِ کثیر

اللہ تعالیٰ نے فخرِ نوعِ بشر کے ذکرِ گرامی کو جس طرح سربلند فرمایا اس کا اجمالی ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ کی جان کی قسم کھا کر ربِ ذوالجلال نے آپ ﷺ کی محبوبیت پر دائمی مہر ثبت کر دی اور پھر کائنات کے مظاہر و مناظر کی شہادت کے ذریعے آپ ﷺ کے علوئے مرتبہ کو قرآنِ حکیم کے مرکزی مضامین میں شامل فرما دیا۔ یہ سلسلہ کئی اور پہلوؤں سے بھی کلامِ ربانی میں مسلسل جاری رہا۔ آپ کے مرتبہ رسالت، تنذیر، تبشیر، شہادت، رحم و رحمت، دعوت و تبلیغ، عبدیت و مقامِ محمود و معراج، غلبہ، تعلیم و حکمت پر آگے چل کر گفتگو کی جائے گی، تاکہ آپ کے فرائض اور ذمہ داریوں کے حوالے سے آپ ﷺ کی عظمت کی ایک جھلک سامنے آ سکے۔ اس حصے میں اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی اعزازات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو مزکّیِ قلوبِ عالم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خیر کثیر تھے، اور خیر کثیر کے اس انعام عظیم کا ذکر تین آیات کے سورۂ الکوثر میں جس طرح سمٹ آیا ہے اس نے قرآن کو ایک معجزہ قرار دینے پر قریش مکہ کو بھی مجبور کر دیا تھا۔ یہ الگ بات کہ سعادت ایمان ان میں سے بہتوں کی قسمت میں نہ تھی۔ سورۃ الکوثر حرف و بیان کا افق اعلیٰ ہے۔ یہی وہ سورہ ہے جس نے فصحائے قریش کو یہ اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا کہ اس کلام کا تعلق ذہن انسانی سے نہیں۔

وہ سبعہ معلقات جو شاعری کی دنیا میں آج تک عہدِ جاہلیت کے عربوں کی امامت کا اعلان سمجھے جاتے ہیں، ان تین آیات کے سامنے اپنی آب و تاب کھو بیٹھے تھے۔ اس سورۃ کے بارے میں ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی رحمہ اللہ نے فیوض القرآن میں نہایت اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھا ہے اُسے ہم حرف محبت کہہ سکتے ہیں۔ وہ محبت کہ فکر اُس کا ایک پہلو ہے۔

یہ ایک مختصر ترین سورت ہے لیکن کیفیات مصطفوی ﷺ کی آئینہ دار ہے۔ اس آئینے میں خیر ہی خیر نظر آتا ہے، اور خیر کثیر کے دامن خیر سے وابستگی کے انداز امت کو سکھائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالی نے اُن کو خیر کثیر سے نوازا۔ دنیا اور آخرت کا تاج دار بنایا۔ اسلام کا پرچم دیا، دل کو محبت کی جلوہ گاہ بنایا۔ آپ کو ہر عالم کے لئے رحمت بنایا یہ سورۃ بیک وقت توحید، رسالت، آخرت، انعاماتِ الٰہی دنیوی واخروی، ظاہری اور باطنی جملہ مضامین پر مشتمل ہے۔ (۱)

سورۂ الکوثر مکی عہد کے اس زمانے میں نازل ہوئی، جب قریش کی مخالفت، ایذا رسانی اور مخالفت کی مہم اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، یہی وہ زمانہ تھا جب رب محمد ﷺ نے ان کے قلب کو حزن اور خوف سے بالاتر کرنے کے لئے سورۃ الضحیٰ، سورۃ الم نشرح نازل فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب تو گہوارۂ سکینہ تھا۔ وہ اپنے رب کی قربت کی نعمتوں سے ہر آزمائش میں تسکین کی صورتیں دیکھ رہے تھے۔ لیکن اہل ایمان اور مشرکین قریش کی کیفیات فکر، رویے اور عمل کے پیش نظر اللہ تعالی کی طرف سے انعامات کے اعلان کی بڑی اہمیت تھی۔

اہل ایمان کے لئے اس لئے کہ ان کا ایمان فزوں تر ہو جائے اور مخالفین کے واسطے اس لئے کہ وہ مستقبل میں ان الفاظ کے آئینے میں اسلام کی صداقت کا بار بار نظارہ

(۱) فیوض القرآن، ڈاکٹر حامد حسن بلگرامیؒ، فیروز سنز/ص ۱۵۰

کر سکیں، بلکہ اس حرف دل دہی کو تاریخ انسانی کا حصہ بنتا تھا تا کہ ہر دور میں اسلام کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو سکون واطمینان قلب حاصل ہو سکے۔

کوثر کے عام مفہوم سے تو ہر مسلمان واقف ہے، یعنی یہ جنت کی ایک نہر ہے، اور احادیث سے یہ صداقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ میدان حشر میں عریض وطویل ذخیرۂ آب ہوگا اس لمحے جب انسان کو اپنا ہوش بھی نہ ہوگا، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے دست عطا سے جسے ایک جام بھی عطا ہو جائے گا، وہ بھوک پیاس سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گا۔ لیکن یہ تو کوثر کا ایک پہلو ہے۔ ادنیٰ سا پہلو۔ کوثر کی پنہائیوں اور پہلوداری زندگی کی ہر چیز کا احاطہ کر لیتی ہے۔

کوثر میں نعمت، انعام رب، خوبیوں، بھلائیوں کی ایسی کثرت سمٹ آتی ہے جو کسی عالم میں کم نہ ہو۔ اور پھر یہ ہر نعمت ایک دوسرے سے ہم آغوش بھی ہو اور الگ الگ بھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر غور فرمائیے۔ سخاوت کی کثرت جیسے فیاضی اور سخا کی ہوا مسلسل چل رہی ہو۔ علم کی کثرت کا عالم یہ ہے کہ عالم الغیب والشہود جل جلالہ نے اپنے حبیب کو اس دنیا کی ہر اس بات کا علم عطا فرمایا جس سے مسلمان کے ایمان میں اضافہ ہو، جنگ خندق میں جب آپ نے ایک سخت چٹان کو توڑنے کے لئے کدال چلائی تو اس سے اٹھنے والی چنگاریوں کی روشنی میں آپ کے سامنے مشرق ومغرب کے محلات روشن کر دیئے۔ وہ حدیں نگاہوں کے سامنے آگئیں، جہاں تک اسلامی ریاست کو پھیلنا تھا۔ قیامت تک کے لئے ہر بشارت، ہر انعام اور ہر فتنہ کی خبر آپ کو دی گئی، آپ کے عفو ودرگزر کا یہ عالم کہ کفار کے لئے رحمت عالم کی آنکھیں اشکبار رہتی تھی۔ یہاں مثال کے طور پر چند باتوں کی طرف اشارے کیے گئے۔ اگر اس بات کو اخلاق محمدی ﷺ کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا جائے تو دفتر درکار ہوں گے۔ مگر ہمارے بعض

مفسروں کی یہ بات دل کو لگتی ہے کہ کوثر سے اساسی طور پر مراد قرآنِ حکیم ہے جو نعمتوں کی نعمت ہے، جو مومن کے لئے شفا ہے، متقیوں کے لئے راہ ہدایت ہے، زندگی کی صراط مستقیم اور جنت کا رہنما ہے۔

سورۂ کوثر بھی سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح کے سلسلے کی کڑی ہے۔ ایک ایسی سورۂ جس سے آپ کو تسلی دی گئی، آپ کی اپنی آل کی فراوانی کی خبر دی گئی اور اس آل میں آل معنوی بھی شامل ہے اور وہ جو آپ کو اولادِ نرینہ سے محرومی کا طعنہ دیتے تھے انہیں ''ابتر'' قرار دیا گیا۔

آپ کے ایک صاحب زادے کا جب بچپن میں انتقال ہو گیا تو قریش مکہ آپ کو طنزاً ابتر یعنی نسل بریدہ کہنے لگے۔ بعض نے اس خیال کا برملا اظہار کیا کہ جب آپ کی اولاد ہی نہ ہوگی تو آپ کا پیغام بھی ختم ہو جائے گا۔ وہ لوگ اسی طور پر سوچتے تھے، اولاد اور نسب ہی ان کے لئے سب سے بڑا حوالہ تھا۔ اسلام تو عہد جاہلیت کے ہر حوالے کو بدلنے آیا تھا۔ اس نازک مرحلے اور نفسیاتی دباؤ کے دور میں آپ کے رب نے آپ ﷺ کو خوش خبری دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا کی گئی ہے اور جتنا بڑا انعام ہوتا ہے اتنے ہی اہم اور بڑے ادائے شکر کے طریقے ہوتے ہیں، پس آپ صلوٰۃ اور قربانی کو اپنائیے۔ نماز آپ کے کلمہ گو افراد کو قیامت تک ہر دن پانچ بار اپنے رب سے ملائے گی، اور آپ کی قربانی شعائر اسلامی میں شامل ہو کر امت مسلمہ کی ایک شناخت بن جائے گی، پھر اس نکتہ پر بھی نظر رہے کہ قربانی کافروں اور مشرکوں کی غیر اللہ سے وابستگی کی علامت تھی۔ جسے صرف اللہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

اب رہا نسل بریدہ کا مسئلہ، عباس بن وائل، عقبہ، کعب بن اشرف کی نسل کو خزاں نے کاٹ کے رکھ دیا۔ تاریخ میں ان کی نسل کا پتہ نہیں چلتا اور ان کا نام اگر کبھی آتا ہے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آتا ہے۔ کیسی عظیم تھی وہ ذات عالیہ کہ اس

کے دشمنوں کے نام بھی عبرت کے لئے محفوظ کر لئے گئے۔

یہ بات اس گفتگو کے آغاز میں عرض کر دی گئی کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے اور وہ بھی اس خیر کثیر کا حصہ ہے جو حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئی۔ اس ذکر کو ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث پر ختم کریں گے جو متفق علیہ ہے۔ ہم اس کا ترجمہ مسلم شریف کے متن کے مطابق پیش کر رہے ہیں مگر ایک وضاحت کے ساتھ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسجد کا ذکر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے۔ حالانکہ یہ مکی سورۃ ہے۔ اور اس کا معنوی تعلق سورۃ ضحیٰ اور الم نشرح کے ساتھ واضح ہے۔ بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض سورتیں اور آیتیں ایک مرتبہ سے زیادہ نازل ہوئی ہیں۔ کوئی مسئلہ پیدا ہوا، کوئی صورت حال پیش ہوئی اور اس کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت یا آیات کو دوبارہ نازل کر دیا جو پہلے نازل ہو چکی تھیں لیکن جو نئی صورت حال کا حل تھیں۔ یہ بھی کلام اللہ کے امتیازات میں سے ایک ہے۔ وہ کتاب جو ہمیشہ تازہ رہی ہے۔

ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ پر نیند یا بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوئی۔ پھر آپ نے تبسم کے ساتھ اپنا سر مبارک اٹھایا۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت ایک ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے بسم اللہ کے ساتھ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ آخر تک پڑھی۔ پھر فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا یہ جنت کی ایک نہر ہے، جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس میں خیرِ کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس سے میری امت قیامت کے دن پانی پیئے گی، اس کے پینے کے پیالے آسمان کے تاروں کے برابر ہوں گے (تعداد

میں)۔ اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے ہٹا دیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ تو میری امت میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد اس نے کیا نئی باتیں (بدعت) اختیار کیں۔(۲)

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے اور اس کا پانی قیامت کے دن جب نفسانفسی کا عالم ہوگا اور پیاس کی شدت کی کوئی انتہا نہ ہوگی میدانِ حشر میں امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف سلاما) کو سیراب کرے گا۔ یہ پانی ایک حوض میں جمع کیا جائے گا۔ اس حوض کی وسعت اور اس کے گرد موجود پیالوں کی تعداد کا اندازہ اس دنیا کی حدود میں گھرے ہوئے ہم محدود فہم و تخیل کے انسان پوری طرح کہاں اور کیسے کر سکتے ہیں۔ ہاں آسمانوں یا فضاؤں پر غور کرنے سے کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

(۲) تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی/ حیدر آباد دکن/ ج ۱۰، ص ۳۵۱

رسولِ اکرم ﷺ ۔ مومنوں پر اللہ کا احسان

انسان بلکہ تمام مخلوقات کا وجود اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ ہمارے رب کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا۔ یہی اللہ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ دنیا سے عقبیٰ تک ہر ایک کے لئے اس کی رحمتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کی ربوبیت بھی اس کی رحمت کا اظہار تمام ہے۔ وہ ہر مرحلے پر ہماری ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے اور یوں ہماری صلاحیتیں اپنی تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ ہماری کمیوں کو دور کر کے وہ ہماری بشریت کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ اس کی رحمت ہے۔ اور اللہ کی نعمتوں نے ہماری اور کائنات کی زندگی کو متنوع مالا مال اور ہمہ جہت بنا دیا ہے۔ سربلندی، خوش حالی، سکونِ قلب، کائنات کا حسن، اعتدال اور توازن یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں جو ہمیں بلا طلب ملی ہیں اور دینے والے نے ان کی نشان دہی تو کی ہے مگر احسان کہیں نہیں جتایا ہے۔ نشان دہی بھی اس لئے فرمائی ہے کہ ہماری فکر میں اتنی سکت نہیں ہے کہ ہم ان نعمتوں کا احاطہ کر سکیں۔ احاطہ تو بڑی بات ہے ہمیں ان کے بارے میں سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی، کیونکہ یہ نعمتیں بہت عام ہیں اور ان کے حصول کے لئے ہمیں کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ سورج کی روشنی، زمین کی قوتِ نمو، ہوا، پانی۔ ہم میں سے کون ان نعمتوں کا پوری طرح ادراک کر سکتا ہے؟ ہماری معاشرتی زندگی کا ہر خوشگوار پہلو اس کی نعمت ہے۔ ایمان کی دولت اس کی نعمت ہے، خوشی، خوف

الٰہی، جہاد، اور اس سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت، اللہ کی ہدایت، اقوامِ عالم میں ہمارا امت وسط ہونا، معرفت الٰہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبے کا کسی حد تک ادراک۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اس پھیلی ہوئی کائنات کی بہت مختلف اور بظاہر کوئی باہمی تعلق نہ رکھنے والی چیزوں کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ان سب کے درمیان تعلق اور ربط پیدا کرتا ہے۔

اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ کثرت کی وجہ سے ہمیں یاد بھی نہیں آتیں۔ سورۂ رحمٰن کے آئینے میں رب جلیل کی نعمتوں کا عکس ہمارے پردۂ ذہن پر منعکس ہوتا ہے۔ قرآن کا عطیہ، انسان کی پیدائش، اس کا کلام اور بیان، جھاڑیوں اور درختوں کی سجدہ گزاری، آسمان کی بلندیاں، میزانِ عدل اور توازنِ تخلیق۔ زمین کا ہمارے لئے بچھایا جانا۔ اس کے میوے، انسان، پھول اور ان کی خوشبوئیں۔ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی ۱۳ آیتوں کا خلاصہ ہے۔ اللہ کی نعمتوں کو قرآن کے صفحات اور اپنی زندگی میں دیکھنا شروع کیجئے تو زندگی تمام ہو جائے گی۔ اور نعمتوں کا احاطہ نہ ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی رحمت کا اظہار ہیں۔ اس کے کئی اسمائے حسنیٰ یعنی صفاتی نام، رحمت، رحم اور انعام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ باسط، رزاق، لطیف۔

اللہ نے یہ سب کچھ دیا اور کہیں اپنا احسان نہیں جتایا کیونکہ احسان جتانا اس کی شان کریمی کے شایان نہیں۔ اور احسان جتانا تو عباد الرحمٰن کی شان کے مطابق نہیں۔ قرآن میں کتنی جگہ اس کی مذمت کی گئی ہے، سورۂ المدثر میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ (۱)

اور زیادہ حاصل کرنے کے لئے احسان نہ کرو۔

یہ بات کار نبوت کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی جا رہی ہے۔ یہ

---

(۱) سورۂ مدثر، آیت ۶

ہدایات ربانی میں سے ایک ہدایت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں۔ اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، پاکیزگی کا بلند ترین معیار پیش کرو۔ یہ دراصل قریش مکہ اور انسانوں کو نبوت کے فرائض سے آگاہ کرنے کے لئے ہے، ورنہ ہر نبی اپنے فرائض کسی اجر کی خواہش اور تمنا کے بغیر انجام دیتا ہے اور ہادیٔ اعظم ﷺ کا سینہ تو دردِ انسانیت کا خزینہ تھا۔

''مَن'' کا مادہ م ن ن ہے۔ اس کے مادے کے کئی الفاظ اردو میں مستعمل ہیں۔ ممنون، ممنونیت، منت وغیرہ۔

منّ اللہ کا وہ احسان ہے۔ جو کسی منصوبہ بندی، کسی محنت اور مشقت کے بغیر انسان کو حاصل ہو جائے۔ اللہ کے ایسے کتنے ہی احسانات انسان پر ہیں۔ اس کی وحی ''من'' ہے جو ہم کو غلط فیصلوں، غلط طرزِ حیات، انسان کش نظریات سے بچاتی ہے۔ آزادی اللہ کا احسان ہے۔

اللہ کے احسانات کا احاطہ ناممکن ہے اور اس کے یہ سارے احسانات ہماری زندگی کے لئے ضروری ہیں، اور ہمیں زندگی دینے والے نے کہیں احسان نہیں جتایا۔ ہاں صرف ایک احسان کا تذکرہ فرمایا۔ اس رسول کو بھیجنے کا احسان، جو مومنوں پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور ان کو حکمت سکھاتا ہے۔ آیات الٰہی، تزکیہ، کتاب اور حکمت کے بغیر زندگی سراسر خسارہ تھی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (۲)

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جو انہیں میں سے ان میں رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، ان کا

(۲) سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۴

تزکیہ کرتا ہے (انہیں پاک کرتا ہے) انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے قبل صریح گمراہی میں تھے۔

اس ایک آیت سے نبوت کے فرائض کے ساتھ ساتھ سرورِ کائنات، صاحب کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کے کمالات کے کتنے پہلو منور ہو جاتے ہیں۔

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

انہیں میں سے ایک رسول۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے وہ انہیں کے ساتھی، شناسا، ہم قوم، ہم شہر تھے، ان کے سامنے آپ کی ساری زندگی تھی، وہ اُن ﷺ کی امانت اور صداقت کے شاہد تھے۔ ان سے بہتر اس حقیقت کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ اہل مکہ پر اللہ کا احسان تھا کہ اس نے انہیں مرتبۂ آدم سے آشنا کرنے کے لئے انہیں میں سے صادق اور امین کا انتخاب کیا۔ وہ جو ان کے درمیان رہتا تھا، وہ جس سے ہر بات آسانی سے کی جاسکتی تھی۔ جس کی جاں سوزی، گدازِ قلب، شفقت، ہمدردی، اور بے غرضی کا وہ ہر آن مشاہدہ کرتے تھے، جو ان کے درمیان بیٹھتا اور گفتگو کرتا تو بلا کسی امتیاز کے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان بیٹھتے، اور بڑے فطری انداز میں ان کو اللہ کی بات سناتے، آپ کی گفتگو سے، آپ ﷺ کی خاموشی سے، آپ کے اندازِ تبسم اور اسلوبِ تکلم سے، آپ کی قربت سے اہل مکہ اور قریش کی زندگی اور قلب بدلنے لگتے۔ جو ایمان لائے ان کے دلوں کی صیقل ہوگئی۔ ان کا ایک ایک لمحہ رضائے الٰہی کے مطابق بسر ہونے لگا۔ ان کا ذہن ایسا بنتا گیا کہ عقیدے کے تمام عقدے اور عمل کے تمام پہلو ان پر واضح ہوتے گئے اور اگر کبھی کوئی ذہنی الجھن پیدا ہوتی تو آپ ﷺ کی پر حکمت

تشریحات اور حکیمانہ طرزِ عمل اس کو دور کر دیتا۔

اور اہل مکہ و قریش کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو یاد دلایا ہے جو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں انہیں عطا کیا گیا تھا۔

> آپ نے خدا کی توفیق و اعانت سے عمل و علم کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چندروزہ تعلیم وصحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی۔ (۳)

اور یہ قرآنی خطاب قیام قیامت تک ہر مسلمان سے ہے۔ صفحات قرآن سے آج تک اس صادق و امین کی آواز ابھر رہی ہے۔ فداہ امی وابی۔ ان کا اخلاق اور اسوۂ حسنہ آج بھی ہمارے لئے تزکیہ نفس کا راستہ ہے۔ کتب احادیث میں ان کے الفاظ آج بھی ہمیں کتاب اللہ کے حقیقی مفاہیم کی تعلیم دے رہے ہیں، اور ہمارے لئے دبستانِ حکمت ہیں۔

کتاب، احادیث اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نشاناتِ راہ ہیں اور ہماری فلاح وفوز کا نسخہ۔

---

(۳) تفسیر عثمانی، بذیل آیت آل عمران، ۱۶۴

امتیازی تخاطب، جس میں کوئی شریک نہیں

قرآنِ حکیم انسانوں کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ کل کے انسانوں کے لئے، آج کے انسانوں کے لئے، اور آنے والے زمانوں کے انسانوں کے لئے۔

ہدایت دینے کے لئے ہدایت دینے والے کا ہدایت پانے والوں اور ہدایت کے طالبوں سے تخاطب اور ہم کلامی لازمی ہے۔ اس ہم کلامی کی جو صورت رب کائنات جل جلالہ نے پسند فرمائی وہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے انسانوں کو ہدایات دیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ انسانوں کو خود بھی مخاطب فرمایا۔

قرآنِ حکیم میں تخاطب کی یہ صورتیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیا کو مخاطب فرمایا اور اُن سے تخاطب کے پیرائے میں ان کی امتوں کو ہدایات دیں۔

قرآن مجید میں یاایھا الذین آمنوا اور یا ایھا الناس کا تخاطب بہت عام ہے۔ جہاں اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں ایمان کی اساسی باتیں اور احکام دیے گئے ہیں اور حقائق بیان کیے گئے ہیں، مثلاً سورۂ البقرہ کے ابتدائی حصے میں ہمیں یہ آیت ملتی ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O (۱)

(۱) سورۂ البقرہ، آیت ۲۱

اے انسانو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان
لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن سکو۔

اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ کی مخاطبت زیادہ وسیع ہے۔ اس میں اہل ایمان کو اسلام کے تقاضوں، ایمان کے بنیادی اور اساسی اصولوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے اور ان کے بارے میں آداب، لباس اور کھانے کے اصولوں، مصیبت کے مقابلے کے نسخے، عبادات، خشیت اللہ، باہمی معاملات اور لین دین کے طریقوں، صبر، حق، رحمت کے افادات، باہمی ربط اور اللہ کے راستے میں استقامت، معروف ونواہی، غرض کہ زندگی کے ہر پہلو اور گوشے کے بارے میں ہدایات سے نوازا گیا ہے۔

اہل ایمان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے ان کو عمل کی راہ اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ O (۲)

اے ایمان والو، صبر اور نماز سے مدد لو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ہر دور میں اہل ایمان کو اللہ کے راستے میں مصائب، مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کے لئے یہ آزمائشیں صبر اور نماز سے سہل ہوتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ص (۳)

اے اہل ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

اسلام اللہ کا دین اور اللہ کا راستہ ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہم اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہاں کسی کی شرکت کی گنجائش نہیں۔

(۲) سورۂ البقرہ، آیت ۱۵۳ (۳) سورۂ البقرہ، آیت ۲۰۸

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اسلام مومن کا ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن بھی۔ اسی یک سوئی کا نام اسلام ہے۔ آدمی اپنی ذات، اپنی عقل، اپنے رجحانات سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر دست بردار ہو جاتا ہے۔ یہ بات اپنی عقل پر مکمل تکیہ کرنے والوں اور اپنے معیار کو حق و باطل کی میزان قرار دینے والوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ مسلمان فرامین الٰہی کو تسلیم کرنے کے بعد جب کائنات پر نظر ڈالتا ہے، فلسفہ اور خیالات کی دنیا کا جائزہ لیتا ہے اور فرمانِ الٰہی کو قول فیصل قرار دے کر جب تفکر کرتا ہے تو وہ علم وفکر کی دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں رسولوں سے خطاب ملتا ہے، بلکہ انسانوں سے خطاب انبیائے کرام ہی کے واسطے اور وسیلے ہی سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول اور نبی بھیجے ہم ان کی تعداد سے ناواقف ہیں۔ قرآن حکیم نے عظیم المرتبت انبیا کا ذکر اور ان کے کارناموں کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

ان رسولوں میں حضرت آدم، حضرت نوح، ابوالانبیا حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ممتاز تر ہیں۔ ہم رسول کی حیثیت سے ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ لیکن اہمیت اور مرتبے میں بعض زیادہ اہم ہیں، اس کا معیار انسانی تاریخ پر اس کا اثر اور ان کی نازل ہونے والی کتابوں کو قرار دیا جا سکتا ہے:۔

تِلْکَ الرُّسُلُ وَفَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (۴)

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت یہ ہے کہ وہ ابوالانبیا ہیں۔ کتنے جلیل القدر رسول ان کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل، حضرت

(۴) سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۳

اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف علیہم السلام وغیرہ اور سلسلۂ نبوت کا اختتام بھی ان کے جلیل القدر بیٹے رحمۃ للعالمین، فخرِ بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔

کئی جلیل القدر انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات اور تعلیمات کا سب سے زیادہ معتبر ماخذ قرآن عظیم ہے۔ قرآن عظیم کی تعلیمات کے مطابق یہ سارے رسول ایک ہی دین لے کر آئے اور وہ دین اسلام ہے۔ ان رسولوں کی بنیادی تعلیمات اور ان کے دیئے ہوئے عقائد میں کوئی اختلاف نہیں، ہاں جزئیات کا فرق ان کے زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ان سب رسولوں کو مخاطب کر کے ان کے بھیجنے والے نے ایک بات کہی اور وہ یہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (۵)

اے رسولو! پاکیزہ اور صاف ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ اور تم جو کرتے ہو میں جانتا ہوں۔

ہر رسول نے حلال اور پاکیزہ طریقے سے حاصل کئے ہوئے پاکیزہ رزق پر زور دیا ہے۔ یہ ربانی تعلیمات کی عملی اساس ہے، اور بنیادی عقائد کے بعد سب سے زیادہ اسی کی اہمیت ہے۔

عبادات کے قبول اور عدم قبول کا انحصار بھی رزقِ حلال پر ہے اور اعمال صالحہ میں عبادات، معاشرتی زندگی کا ہر جزو اور اپنی ذات کی تعمیر ہر چیز سمٹ آئی ہے۔

کئی انبیائے کرام کا ذکر قرآنِ عظیم میں بار بار آیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم میں ۴۳ بار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی ۶۹ بار آیا ہے۔

(۵) سورۃ المومنون، آیت ۵۱

حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہم السلام کے نام بھی مختلف سیاق وسباق میں بار بار آئے ہیں۔

اس کے برعکس ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد صرف چار بار اور احمد ایک بار آیا ہے۔

اس نکتے پر غور کیجئے تو کئی ایمان افروز پہلو سامنے آئیں گے، قرآن کریم میں پیغمبروں اور ان کی امتوں کے قصوں کے حوالے سے انسانیت کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ انسانی سعادتوں کی تاریخ، انسان کی بغاوت، سرکشی، طغیان اور گمراہیوں کی تاریخ، انسانی ترغیبات، خواہشوں، فلسفوں، خود کو دھوکہ دینے اور خود شناسی کی تاریخ۔

دوسرا نکتہ یہ ابھرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اگرچہ صرف پانچ بار آئے ہیں، لیکن قرآن کریم نے انہیں کہیں نبی کہا ہے، کہیں رسول، کہیں مزمل اور کہیں مدثر، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے ذاتی ناموں سے کہیں مخاطب نہیں کیا ہے، یہ اپنے بندے اور رسول کے احترام کی انتہائی مثال ہے۔

ہر رسول کو اللہ تعالیٰ نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا ہے۔ ہم صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مخاطبت کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

یٰٓاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (۶)

اے ابراہیم یہ خیال چھوڑ دو

وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (۷)

اور ہم نے اس کو پکار کر کہا کہ اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور ہم محسنوں اور نیکوکاروں کو ان کی جزا اور ان کا اجر

(۶) سورۂ ہود، آیت ۷۶ (۷) سورۂ صفت، آیت ۱۰۴، ۱۰۵

دیتے ہیں۔

حضرت سرورِ دیں، خلاصۂ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بارہا مختلف سیاق وسباق میں مخاطب کیا ہے۔ کہیں شدائد کے عالم میں حرفِ تسلی سے نوازا، کہیں آپ کو فرائض نبوت کی تکمیل میں بے چین اور سرگرداں پاکر اس پیار سے پکارا ہے کہ لفظ تبسم بن گئے ہیں، کہیں آپ کو راتوں میں کفار اور مشرکین کے لئے ہدایت طلبی کی دعاؤں میں اپنی جان کو ہلاکت میں مبتلا کرتے ہوئے دیکھ کر پیار سے اپنی طرف بلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ اپنا خیال رکھئے۔

يَاۤيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (۸)

اے رسول! وہ لوگ آپ کے لئے حزن اور دکھ کا سبب نہ بنیں جو کفر کی راہ میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں۔

مکی سورتوں میں قریش کی ہدایت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب اور بے چینی کی تصویریں ملتی ہیں۔ سورۂ مائدہ مدنی سورۃ ہے، یہ ۶ھ یا ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ اور نواح مدینہ کے یہودی سازشوں میں مصروف تھے اور ان کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اسلام کی بقا اور فروغ کے سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں کسی شبہ کے پیدا ہونے کا کیا سوال، عام مسلمان بھی فتح مبین پر ایمان کامل رکھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام تر اضطراب، حزن ان کفار کی خیر خواہی کی خاطر تھا۔

اللہ کے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی یقین تھا کہ کفار کی یہ سرگرمیاں دین حق کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ کفر کی قسمت میں ذلیل ہونا تھا۔ اللہ کا یہ فیصلہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہو چکا تھا کہ

(۸) سورۂ مائدہ، آیت ۴۱

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ (۹)

بیشک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے۔

سورۂ فتح وعدۂ نصرت اور اللہ کے فیصلوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تمہاری زبردست مدد کرے گا۔ آسمانوں اور زمینوں کے تمام لشکر اللہ کے ہیں۔ (۱۰) اور یہی بات آیت نمبر ۷ میں دہرائی گئی۔ منافق مردوں اور عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کے لئے مصیبتوں کا دائرہ اور چکر مقدر ہو چکا تھا۔ (۱۱) قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ سورۂ الفتح کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کریں۔ سورۂ کے آخری رکوع میں تو صاف صاف اعلان کر دیا گیا کہ:

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اللہ کا دین ہر باطل دین اور نظام پر غالب آ کر رہے گا اور اللہ ہی حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ (۱۲)

اسلام کی فتح ونصرت پر ایمان کے باوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مطہر گم کردہ اور بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے کیسا دکھ برداشت کرتا تھا۔

یہاں ضمناً ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ بہت سے مقامات پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نام اور صفت کے خطاب فرمایا ہے اور ضمیر حاضر استعمال کی ہے، مثلاً اسی سورۂ الفتح میں ارشاد ہوا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ (۱۳)

اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو شاہد (گواہ) اور حال بتانے والا، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

---

(۹) سورۂ الفتح، آیت ۱ (۱۰) ایضاً، آیت ۴ (۱۱) ایضاً، آیت ۶ (۱۲) ایضاً، آیت ۲۸

(۱۳) ایضاً، آیت ۸

اور کہیں مختصر سے فعل کے ساتھ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا، سورۂ اخلاص اور معوذتین اس کی مثالیں ہیں۔ اور سورۂ الاعراف کی آیت کا یہ ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۱۴)

اے رسول! کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم گیر نبوت کا اعلان ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ آپ کی نبوت پر ایمان لانا تمام رسولوں پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عظمت وشانِ محبوبیت تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان آپ ﷺ کی زبان سے کرایا ہے۔ العظمة لله، یہ اعلان اس کی زبان سے کرایا گیا جو صادق تھا، امین تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایمان، عبادات، اعمال صالحہ کے احکام راست دینے کے لئے خیر وشر کے فرق سے آگاہ کرنے کے لئے انہیں راست مخاطب کیا ہے۔ ایسے ''خطابات'' کی تعداد ۱۵۰ سے کچھ ہی کم ہے۔ لیکن بعض فرائض اور عبادات نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے عطا کئے گئے ہیں۔ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اُن کی اہمیت کو اور اُبھارنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے، کیونکہ رسول کا عمل اس کے اسوۂ حسنہ کا حصہ ہے۔ اور اس کا اتباع اہل ایمان کی شناخت ہے۔

جہاد اگرچہ رکنِ اسلام نہیں ہے، مگر جہاد ہر رکن کی روح اور جان ہے۔ صلوٰۃ اللہ سے ہم کلامی ہے اور نماز میں یہ بات بڑی جدوجہد کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تمام وسیلوں کو ٹھکرانا اور کسی آستانے پر سر نہ جھکانا، اس سے بڑا جہاد اور کیا ہو سکتا ہے؟ قتال، جہاد کی

---

(۱۴) سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸

انتہائی شکل ہے اور جان آدمی کو کتنی عزیز ہوتی ہے، اس کا شاہد ہم میں سے ہر شخص ہے۔ مسلمانوں کو قتال کی ترغیب دینے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ط (۱۵)

اے نبی! مومنوں کو قتال کا شوق دلاؤ۔

اور اس سلسلے میں یہ فرمایا کہ اگر تم ثابت قدم رہو گے تو بیس مومن دوسو کافروں پر غالب آئیں گے، اور سومومن ہزار کافروں پر غالب آئیں گے، اور اس کا سبب یہ بتایا کہ کافر سمجھ اور شعور نہیں رکھتے۔ لا یفقھون۔ مشرک، اہل کتاب اور کافر زندگی اور موت کے مفہوم سے ناواقف ہیں، اسی لئے وہ زندگی کے حریص ہوتے ہیں اور موت سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ اہل کتاب بھی ربانی تعلیمات کو بھلا کر دنیا کے دام میں الجھ جاتے ہیں۔ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر ۹۷ میں ان لوگوں کی حرص حیات کا ذکر ہے کہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ہزار سال کی عمر پائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہٰی کی روشنی میں اہل ایمان کو یہ تعلیم دی کہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ یہ دنیا تو سرائے ہے اور موت کا وقت مقرر ہے۔ پھر زندگی کا مقصد تو اسے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے گزارنا اور قربان کرنا ہے اور جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی قلب سے موت کا کانٹا نکال دیا، اور موت وہ پل بن گئی جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔

جہاد کا حکم ایک مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم اہل ایمان کے لئے بھی ہے۔ اس اسلوب بیان کا مقصد جہاد کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْھِمْ (۱۶)

---

(۱۵) سورۂ انفال، آیت ۶۵ (۱۶) سورۂ التوبہ، آیت ۷۳

اے نبی ﷺ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے، اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجۂ صبا سے زیادہ نرم فطرت کے مالک تھے۔ اپنے بدترین دشمن کے ساتھ نرمی سے پیش آتے، قصبات سے آنے والے غیر تربیت یافتہ نومسلموں کے ساتھ التفات برتتے اور ان کی ادب و آداب سے ناواقفیت کا خیال نہ کرتے، اسی لئے ان کے رب نے کافروں اور کھلے ہوئے منافقوں کے ساتھ انہیں سخت برتاؤ کا حکم دیا۔

ابتدائی مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو پیارے القاب یا صفاتی ناموں سے مخاطب کیا۔ یہ وہ دور تھا جب آپ ﷺ کے لئے وحی الٰہی کی مشقت اور بوجھ کو برداشت کرنا زیادہ مشکل تھا۔ قرآن عظیم تو وہ کلام ہے کہ قلب محمدی ﷺ کے سوا اس کو کوئی اور برداشت نہ کرسکتا تھا۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (۱۷)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف اور خشیت سے دب جاتا، پھٹ جاتا۔ (ریزہ ریزہ ہو جاتا)

وحی کے نزول کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کیفیت ہوتی تھی اس کے بارے میں کئی حدیثیں موجود ہیں۔ وہ ان شاء اللہ اپنے موقع پر پیش کی جائیں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وحی کے نزول کے بعد سخت سردی محسوس کی، اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے فرمایا کہ زملونی زملونی ''مجھے ڈھانپو، کپڑا اڑھادو'' اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا یہ کیفیت اتنی پسند آئی کہ بارگاہِ صمدیت سے مزمل کا اعزاز عطا

---

(۱۷) سورۂ حشر، آیت ۲۱

ہوا۔ قرآن میں سورہ مزمل سے متصل سورہ مدثر ملتی ہے۔

یاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اے کپڑے میں لپٹنے والے۔

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اسلوب تخاطب کے سلسلے میں عرض کی گئی۔

عبدِ کامل، ہادیٔ اعظم، مطاع

عباد الرحمٰن کی مغفرت کا راستہ عبد کامل ﷺ کا اتباع ہے کیونکہ یہی ''عبدیت'' ہدایت ہے۔ اور ہدایت اتباع کے ذریعہ ہی مل سکتی ہے۔

قرآنِ حکیم سے جو حقیقت ہمارے سامنے اُبھر کر آتی ہے وہ یہ کہ ہدایت محض اللہ کی توفیق سے ملتی ہے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے۔ نبی اکرم ﷺ سے اللہ جل جلالہ نے کئی موقعوں پر ارشاد کیا ہے کہ گمراہوں کے غم میں آپ اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں، ان کی ہدایت کی فکر میں نہ گھلیں۔ آپ ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔ آپ کا فریضہ تو اللہ کی وحی اور پیغام کو ان تک پہنچا دینا ہے اور بس۔

یوں ہدایت کا سرچشمہ ذاتِ الٰہی ہے۔ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے رسول اور نبی بھیجے جنہوں نے انسانی معاشروں میں ہدایت کے مکمل عملی نمونے پیش فرمائے۔ اور اِن رسولوں کے ساتھ کتابیں اور وحی بھیجی جن میں انسانی زندگی اور معاملات کے لئے دائمی اقدار موجود ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہ قدریں اور احکام نہایت واضح طور پر انسان کو عطا کیئے اور یہ الگ بات ہے کہ قوموں اور انسانی گروہوں نے ان پیغامات کو اپنی تاویل اور حجت سے مسخ کیا اور مفاہیم کتب کو بدل دیا، لیکن انبیائے کرام کی

مثالوں اور زندگی نے منشائے الٰہی کی عملی تفسیر پیش کی۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ نے قرآنی تعلیمات واقدار کو حیات انسانی سے ہم آہنگ کر دیا اور ہمیشہ کے لئے۔ آج بھی آپ ﷺ کے اقوال اور اعمال سے وحی الٰہی کا مفہوم ہم پر واضح ہوتا ہے اور اس طرح کہ آپ ﷺ کی سنت ہمارے لئے حجت ہے۔

ہدی کے معانی ہیں واضح اور نمایاں ہونا، آگے ہونا، اسی میں راہ دکھانے کے لئے دوسروں کے آگے چلنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ ہاد اور ہادی وہ ہے جو کسی منزل کی طرف لوگوں کو لے جائے اور راہ دکھانے کے لئے ان کے آگے آگے چلے۔ ہاد یا ہادی کسی چیز کے بلند ترین اور نمایاں ترین حصے کو کہتے ہیں جو اس چیز کے آگے ہو اور دیکھنے والوں کو دور سے دکھائی دے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کائنات کی ہر چیز میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ یوں یہ دنیا اس ذات کی گواہی بن جاتی ہے۔

ان گواہیوں میں سب سے نمایاں، سب سے مستحکم گواہی وحی الٰہی ہے، اور یہ وحی رسولوں کے ذریعے انسانوں تک پہنچتی ہے۔ یہ رسول لوگوں کو ان کی غلط روش حیات پر تنبیہ کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ یہی فریضہ انجام دے رہے تھے اور قریش ان سے معجزوں اور ''آیات'' کا مطالبہ کرتے تھے۔ یہ کافروں کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے اور یہی لوگ آیات کو دیکھ کر ان سے منہ پھیرتے رہے ہیں، اور یوں جیسے انہوں نے کچھ بھی نہ دیکھا ہو۔ یا پھر اپنی پسند کے معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ O (۱)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی آیت (اور نشانی) کیوں نہیں نازل ہوئی۔ بیشک آپ نذیر اور ڈرانے

(۱) سورۂ رعد، آیت ۷

والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی اور راہ بتانے والا آیا ہے۔

اس آیت سے ہادی کا مفہوم، انذار کا مقصد اور اللہ سے رسول کا رشتہ، ہر چیز واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ کافروں کو اپنی زندگی کی تعمیر اور اس کو بامعنی بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ نبی سے کسی غیر معمولی بات کا مطالبہ کرتے تاکہ اس کے نظارے سے اپنا جی خوش کریں۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے جو غیر معمولی ''واقعہ'' رونما ہو رہا تھا اس پر ان کا دھیان ہی نہ جاتا۔ وہ یہ نہ دیکھتے کہ اس رسول کی دعوت قبول کرنے والوں کی زندگی میں کیسی عظیم اور غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں اور ہو رہی تھیں۔ وہ کس درجہ اور کس حد تک بدل چکے تھے۔ ظلم کی جگہ وہ انصاف پر عامل ہو گئے، ظلم اور ظلمت کی جگہ وہ عدل اور روشنی کا استعارہ بن گئے تھے، حق تلفی کی جگہ وہ لوگوں کو ان کے حقوق دے رہے تھے بلکہ ان میں ان کے حقوق کا شعور پیدا کر رہے تھے، وہ جہل اور غرور کی جگہ انکسار اور اخلاق کی تصویر بن گئے تھے۔ یہ لوگ اس معجزے سے آنکھ چُرا رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کی صورت میں ان کی نظروں کے سامنے تھا اور اس سے پہلے بھی اہلِ کفر کا یہی انداز اپنے انبیاء کے ساتھ رہا تھا۔ یہ کافر دنیا کے معاملات میں تو دلائل و براہین کے قائل تھے، مگر دین اور رسول کے سلسلے میں کسی محیر العقول تماشے کے متمنی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کفار کے اس طرزِ عمل پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا بلکہ اپنے رسول سے ایک بات کہی۔ محکم، مستحکم۔ ایسی بات جسے اس کا رسول سب سے زیادہ جانتا تھا اور جس پر اُس کی ذات شاہد تھی ''تم تو محض خبردار کرنے والے ہو، اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ''

نبی اکرم ﷺ اور دوسرے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نذیر و منذر تھے۔ لوگوں کے قلوب کو دین کی طرف موڑ دینا اللہ تعالےٰ کا کام تھا۔ انبیا و رُسل اس کائنات میں اس لئے تشریف لائے کہ وہ انسانوں کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیں اور طاعتِ الٰہی کو انسانوں کا دستورِ حیات بنا دیں۔ مطاعِ اول اور مطاعِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی

ذات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسولوں کے حوالے اور ان کی زندگی کے نمونوں کی روشنی ہی سے کی جا سکتی ہے، اسی لئے طاعتِ الٰہی اور طاعتِ رسول کا ذکر قرآنِ حکیم میں اکثر مقامات پر ایک ساتھ ملتا ہے، اور اطاعتِ رسول کا ذکر ایک مستقل حکم کے طور پر بھی کیا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (۲)

اور ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ اور جب انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو اگر یہ آپ کے پاس آجاتے، پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے (اور ان کے لئے معافی چاہتے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان و رحیم پاتے۔

یہ آیت ایک خطبے کا حصہ ہے جو آیت ۵۹ سے شروع ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان حاکموں کی جو تم میں سے ہوں اور پھر اگر کسی بات میں کوئی تنازع ہو تو اُسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (۳)

اولی الامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے اور ''منکم'' کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ صاحب ایمان حاکم بھی اللہ اور اُس کے

(۲) سورۃ نساء، آیت ۶۴ (۳) ایضاً، آیت ۵۹

رسول کے مطیع ہوں گے، اور اگر کبھی حاکم کا کوئی عمل فرمانِ الٰہی اور سنت رسول ﷺ کے مطابق نہ ہو تو ایسی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی فریقین رجوع کریں گے اور جو بات کتاب وسنت کے مطابق ہوگی اسے مان لیں گے۔ اسی آیت میں آگے بڑھ کر اس طرزِ عمل کو ایمان کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔

اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (۴)

اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی خیر اور اچھی بات ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے۔

ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اطاعتِ الٰہی سے عبارت ہے اور اس اطاعت کی کامل ترین مثال اسوۂ حسنہ نبوی ہے، اسی لئے اتباع خداوندی کی عملی صورت اتباع رسول ہے۔ اس نکتے پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا سکتا ہے، مگر یہ حقیقت سرورِ کائنات، نبی الرحمۃ ﷺ کی ایک حدیث میں جیسے مجسم ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

مَن اطاعنی فقد اطاع اللہ وَمَنْ عصانی فقد عصی اللہ (۵)

جس نے میری اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

مسلم حاکموں اور اربابِ حل وعقد کی اطاعت یا ان کے احکام سے روگردانی کا انحصار، احکامِ الٰہی اور فرمان نبوی کے بارے میں اُن کے طرزِ عمل پر ہے۔ یہاں یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ حکمرانوں کے بعض اعمال اگر ناپسندیدہ ہیں لیکن وہ معصیت کے دائرے میں نہیں آتے تو ان کے خلاف خروج یا بغاوت نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اس سے اسلامی ریاست اور معاشرے کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ ہاں یہ لازم ہے کہ حکمران، اللہ کی

(۴) ایضاً (۵) صحیح مسلم/ ج ۳، ص ۲۳۰۔ رقم ۱۸۳۴

حاکمیت کے سامنے سر جھکاتے ہوں، سنتِ رسول اکرم ﷺ کو حجت مانتے ہوں اور مسلمانوں کو معصیت کا حکم نہ دیں۔

درمیانی آیات کے مطالعے سے یہ نکتہ اور واضح ہو جائے گا اس لئے ہم آیات ۶۰ تا ۶۳ بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، تاکہ پس منظر اُبھر کر سامنے آ جائے۔ ان آیات کی شان نزول بھی پیش کی جا رہی ہے۔ یہاں یہ عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ قرآنی احکام شانِ نزول کے پابند نہیں، لیکن شان نزول سے وہ واقعہ یا وہ محرکات سامنے آ جاتے ہیں جو کسی حکم، آیت یا آیات کے نزول کا سبب ہیں۔ انسانی زندگی میں ایسا تسلسل ہے کہ ویسے ہی واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں یا ہوتے رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ○ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ○ (۶)

اے نبی ﷺ! کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے جو آپ کی طرف نازل ہوئی اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل ہوا، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے

---

(۶) سورۂ نساء، آیت ۶۰ تا ۶۳

معاملات کے فیصلے اور تصفیئے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع
کریں حالانکہ طاغوت کو نہ ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور شیطان
انہیں بہکا کر گمراہی کے راستوں پر بہت دور لے جانا چاہتا ہے اور
جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز (ہدایت) کی طرف آؤ جو اللہ
نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھتے ہو کہ یہ منافق
تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں اور گریز کرتے ہیں۔ اور
جب ان پر انہی کے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو
تمہاری طرف قسم کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم
ہم تو خیر و احسان اور بھلائی اور فریقین کے درمیان موافقت اور
ملاپ چاہتے تھے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ ان
سے تعرض نہ کرو (ان سے اعراض برتو) ان کو نصیحت کرو اور اس
طرح سمجھاؤ کہ بات ان کے دل میں اتر جائے۔

ان آیات سے یہ نکتہ بہت واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ منافق اللہ کے رسول سے کتراتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان کے نفاق کی اطلاع ہو جائے گی۔ یہ صورت حال اب بھی آپ کو اپنے معاشرے میں نظر آجائے گی۔ ایسے منافق سیرت سرور کائنات ﷺ اور احادیث نبوی سے گریز کرتے ہیں اور حضرت ختم الرسل ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو مثال کے طور پر پیش کرنے سے اجتناب برتتے ہیں۔

ان آیات کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ بشر نامی ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کوئی نزاعی معاملہ پیدا ہو گیا۔ یہودی نے کہا کہ چلو چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس بارے میں فیصلہ کرا لیں۔ یہودی حق پر تھا اور بشر زیادتی اور ظلم کا مرتکب ہوا تھا۔ وہ اپنے دل میں فراست و علم نبی ﷺ سے خائف تھا۔ وہ معاملے کو کعب بن اشرف کے

سامنے لے جانا چاہتا تھا جو یہودیوں کا ممتاز سردار اور سخت دشمن اسلام تھا، لیکن یہودی کے زور دینے پر بشر دربار نبوی میں حاضری پر آمادہ ہو گیا۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے فریقین کے دعوے کو سنا، اس معاملے کی تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہودی حق پر ہے اور بشر کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب بشر نے یہ چال چلی کہ اس نے یہودی سے کہا کہ چل کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کریں۔ اس کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ حضرت عمر کفار پر شدید ہیں۔ وہ یہودی کے دعوے کو رد کر کے مجھے حق پر قرار دیں گے۔ وہ یہ بھول گیا کہ فاروق اعظم کے کفار پر شدید ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کفر کے مقابل شدت برتتے ہیں۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ وہ کسی پر ظلم کر سکتے ہیں۔ فریقین بارگاہ فاروقی میں حاضر ہوئے اور یہودی نے اپنا معاملہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ محمد ﷺ اس کے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں مگر بشر مطمئن نہ ہوا اور اب معاملہ آپ کے سامنے لایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بشر سے پوچھا کیا یہودی کا بیان درست ہے؟ بشر نے اعتراف کیا ''جی ہاں درست ہے'' حضرت عمر فاروق گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اپنی تلوار نیام سے نکالی اور باہر آ کر بشر کی گردن اڑا دی۔ یہ فیصلۂ نبوی کو تسلیم نہ کرنے کی سزا تھی (۷)۔ دراصل بشر کا یہ عمل بغاوت کے دائرے میں آ گیا۔ سورۃ النسا کی آیت ۶۵ بھی اسی خطبے کا حصہ ہے جو آیت ۵۹ سے شروع ہوا۔ آیات ۵۹ تا ۶۴ کا مطالعہ آپ کر چکے ہیں۔ اب آیت ۶۵ ملاحظہ ہو۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا

(۷) آلوسی، روح المعانی / دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء / ج ۵، ص ۶۷

تَسْلِيماً ○ (۸)

اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ تمہیں اپنے تنازعات میں حکم اور فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، اور تمہارے فیصلے سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور فیصلے کو خوشی سے تسلیم کرلیں (بلا انحراف اور ذہنی تحفظات کے)

اس نکتے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالے نے اس باب میں اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ محمد ﷺ کے فیصلے کو شرح صدر کے ساتھ تسلیم کرلینا ہی ایمان ہے اور اس سلسلے میں تمام مسائلِ عقائد بھی شامل ہیں۔ تقریبات ہوں یا نزاعی مسائل، اعتقادات ہوں یا نظریات۔ ہر معاملے میں نبی کریم ﷺ کا فیصلہ اور آپ کا اندازِ زیست ہماری راہ کا تعین کرے گا، کیونکہ آپ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۹)

جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

قرآن عظیم میں اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کا ذکر بالعموم ایک ساتھ آیا ہے اور جیسا کہ قرانِ حکیم کے حوالے سے عرض کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالی نے رسول اسی لئے بھیجے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے، لیکن مرتبہ رسالت سے بے خبر لوگوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مطاع صرف اللہ تعالی ہے اور رسول جو آسمانی پیغام لے کر آئے ہیں صرف ان کی اطاعت کی جائے گی۔ اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اس لئے مبعوث کئے گئے کہ وہ احکام الٰہی پر پوری کاملیت کے ساتھ عمل کر کے اہل ایمان کے سامنے نمونہ پیش کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ اقامت صلوٰۃ کی عملی شکل کیا ہے؟ روزے کے عملی تقاضے کیا ہیں؟ زکوٰۃ کس طرح ادا

(۸) سورۂ نساء آیت ۶۵ (۹) ایضاً، آیت ۸۰

کی جائے گی اور حج کے مناسک اور ان کی ترتیب کیا ہے۔ سورۃ النور آیات ۵۱ اور ۵۲ سے رسول اللہ ﷺ کے مطاع ہونے کا مفہوم اور وسعت پوری طرح واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَ یَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ O (۱۰)

ایمان لانے والوں کی بات تو یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایئے تاکہ رسول ان کے معاملے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا۔ اور ایسے ہی مومن فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ کی اطاعت کریں اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اللہ سے ڈریں تو ایسے لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

سورۃ النسا کی جن آیات کی بنا پر اس سے پہلے گفتگو کی گئی ان کو النور کی اِن دو آیات سے ملا کر اس معاملے پر غور فرمائیں تو اطاعتِ رسول کی بنیادی اہمیت واضح تر ہو جائے گی۔ اللہ کی اطاعت، اس دنیا میں رسول، ان کے فیصلوں کی اطاعت اور سنت کے اتباع کی صورت ہی میں متشکل ہو سکتی ہے۔

یہ رسول کا منصب ہے اور اس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ ہمیں احکام الٰہی کے حقیقی مفہوم اور منشا سے آگاہ کریں۔ اللہ کے احکام پر عمل کس طرح کیا جائے؟ یہ بات بھی ہمیں نبی کے ذریعے ہی معلوم ہوتی ہے۔ گزشتہ صفحات میں نماز اور روزے کے حوالے سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے۔ اس سلسلے میں زنا کی سزا کا مسئلہ ہمارے سامنے

(۱۰) سورۂ نور آیت ۵۱۔۵۲

آتا ہے اور یہ مسئلہ ہمیں حدود کے مفہوم کے تعین میں بھی مدد دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے زانی اور زانیہ کی سزا سو دُرّے بتائی ہے۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰـھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَا اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ O (۱۱)

اس سورۃ کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم نے اسے فرض کیا ہے اور اس میں صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں، شاید تم یاد رکھو اور سبق حاصل کرو۔

اور اس تمہید بلند آہنگ کے بعد اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ زانی اور زانیہ، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔ قرآن حکیم میں شادی شدہ یا غیر شادی شدہ کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے، مگر نبی اکرم ﷺ کے دور سے آج تک جہاں بھی شرعی نظامِ حدود و تعزیرات نافذ ہوئے غیر شادی شدہ مرد اور عورت کو اس جرم میں سو کوڑے مارے جاتے ہیں اور شادی شدہ افراد کو رجم کیا جاتا ہے یعنی سنگسار کر دیے جاتے ہیں۔

زنا نہایت سنگین اور مختلف معاشرتی و اخلاقی پہلو اور نتائج کا حامل جرم ہے اور معاشرے سے ذہنی سکون، نفسیاتی اعتماد اور رشتوں کی حرمت چھین لیتا ہے۔ لوگوں کا نسب مشکوک ہو جاتا ہے اور بے اعتمادی کی ایسی فضا معاشرے پر چھا جاتی ہے کہ باپ اپنی اولادوں کے بارے میں یقین کھو بیٹھتے ہیں۔ شراب کی طرح زنا کے تعزیراتی احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے۔ پہلے تو چار مردوں کی گواہی پر عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک قید رکھنے کا حکم نازل ہوا جب تک کہ موت انہیں اٹھا لے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور صورت اور سزا مقرر کرے (۱۲)

اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آخری اور حتمی سزا

(۱۱) ایضاً، آیت ۱ (۱۲) سورۂ نساء آیت ۱۵۔۱۶

نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ دوسری سزا پیش فرمانے والا تھا۔ یہ سزا (یعنی سو دُرّے) سورۃ النور میں نازل ہوئی، لیکن حالت احصان (شادی ہونے کے بعد) میں جو لوگ اس جرم اور گناہ کے مرتکب ہوئے انہیں سرور کائنات اور ہادی اعظم نے رجم کی سزا دی۔ اسلام میں رجم کی سزا سنتِ ثابتہ اور احادیث مسلسل کی بنا پر دی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے دین کے سلسلے میں ہمیں جو حکم بھی دیا اس کا رشتہ حکمِ الٰہی اور وحی سے ہے کیونکہ سورہ انجم میں واضح طور پر یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ آپ اپنے جی سے کوئی بات نہیں کہتے۔ جو کہتے ہیں وہ وحی کی بنا پر۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىO (۱۳)

اس علم اور وحی کے باوجود آپ نے بغیر شہادت کے کسی کو زنا کی سزا نہ دی۔ مدینہ منورہ کی ایک عورت اپنی بدکاری کے لئے معروف تھی، مگر اس کے خلاف مطلوبہ اور مقررہ شہادت نہیں تھی۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں واضح شہادتوں کے بغیر رجم کرنے والا ہوتا تو اس عورت کو رجم کرا دیتا

یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری راہیں منور کر دیں اور اپنی مثال سے قیامت تک کے لئے اسلامی معاشرے میں بے گناہوں کی سزا کے امکانات کو معدوم فرما دیا۔ گواہی میں کوئی شبہ نہ ہو۔ فریقین کے چہرے ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو کر شناخت کر لئے جائیں۔ قرائن اور شہادتوں کو جرح کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ اور پھر قرآن حکیم نے بدکاری کی تہمت لگانے والوں کے لئے بھی سخت سزا مقرر کی۔

زنا کی سزا کے بارے میں اس مختصر گفتگو سے حضور ﷺ کے علوے مرتبہ کا یہ رُخ ہمارے سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ربط اور علم حاصل کرنے کی بنا پر نبی اکرم ﷺ نے جس بات کو حرام قرار دیا وہ اللہ کی طرف سے حرام ہے اور آپ نے جو کچھ

---

(۱۳) سورۂ نجم، آیت ۳،۴

ہمارے لئے جائز اور حلال قرار دیا وہ اللہ کی طرف سے حلال ہے۔ زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جو آپ کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہو، صرف تجارت اور بیع وشرا کو لے لیجئے کہ اس کی کتنی ہی صورتیں آپ کی اطاعت قبول کرنے والوں کے لئے جائز ہیں اور کتنی صوتوں سے آپ نے منع فرمادیا، کُتے کی تجارت کو آپ نے ہمارے لیے ممنوع فرمادیا۔ شراب کی حرمت قرآن حکیم نے فرمائی، مگر شراب سے متعلق کتنے ہی مسائل سے ہادی اعظم نے مطلع فرمایا۔ صرف شراب کا پینا ہی حرام نہیں بلکہ شراب بنانا، شراب فروخت کرنا، شراب خریدنا، دوسروں کو شراب پلانا، جہاں شراب پی جارہی ہو وہاں بیٹھ کر کھانا پینا۔ یہ سب مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

تجارت کے استعارے اور محاورے کو قرآن حکیم نے بڑی عزت عطا کی ہے۔ ایمان کو خرید وفروخت کی اصطلاح کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ مسلمان جنت کے عوض اپنی جان اور مال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے۔

تجارت حلال ہے۔ تجارت میں بڑی برکت ہے مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان تاجر اپنے آقا اور مالک ﷺ کے احکام اور فرمودات کی اطاعت کرے۔ پھلوں کی خرید و فروخت سے متعلق نبی اکرام ﷺ کے ارشادات اور احکام بہت جامع، بہت واضح ہیں اور اس تجارت کے کم وبیش تمام پہلوؤں کا احاطہ کرلیتے ہیں۔

حضور ﷺ نے پھلوں میں پختگی آنے سے پہلے پھلوں کے بیچنے اور خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی مصلحت بہت واضح ہے آندھیوں، ژالہ باری اور طوفانوں سے فصل کو نقصان پہنچ سکتا ہے جس سے خریدنے والے کو نہایت نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اسی طرح کئی برسوں کے لئے باغوں کو ٹھیکے پر نہیں دیا جاسکتا کیونکہ فصل اور پھلوں کی پیداوار کے لئے کوئی پیش بینی ممکن نہیں۔

نبی اکرام ﷺ نے خرید وفروخت کو اسلام کے اخلاقی احکام کے تابع کردیا۔

تجارت میں خریدنے والے اور بیچنے والے کے حقوق کو مساوی اہمیت دی گئی اور سب سے بڑی بات یہ کہ تجارت کو مسلم معاشرے کے نفع ونقصان و دیانت اور ہمہ گیر تقاضوں سے منسلک کر دیا گیا جس کا اندازہ درج ذیل نکات سے ہو سکے گا۔

۱۔ کسی ضرورت مند فرد یا تجارتی ادارے کا سامان اونے پونے داموں پر نہیں خریدا جا سکتا۔ یہ اس کی ضرورت اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے۔

۲۔ تاجر پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال کے عیب کو خریدنے والے پر ظاہر کر دے اور خریدنے والے کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا (۱۴)

جو شخص دھوکہ دہی کرے اور ہم سے نہیں

۳۔ خریدنے والے کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر ناجائز منافع حاصل نہ کیا جائے

۴۔ بیچنے والے کے پاس جو سامان موجود نہ ہو اس کا سودا نہ کیا جائے۔

۵۔ لوگوں کی ضرورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اشیا کی ذخیرہ اندوزی، بالخصوص اناج کی ذخیرہ اندوزی اسلام میں حرام اور ناجائز ہے

۶۔ سوداگروں کو جھوٹے دعوے کرنے اور جھوٹی قسمیں کھانے سے منع کیا گیا ہے

۷ نبی اکرم ﷺ نے اجارہ (کرائے پر چیزیں دینے اور مزدوری) کے قواعد وضوابط بھی متعین فرما دیئے۔

یہ چند باتیں اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تشریح فرمائی تو دوسری طرف آپ نے قوانین وضع فرمائے اور ان قوانین کا ماننا بھی ہم پر فرض ہے۔ اتباع رسول اور ایمان اسلام کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔

(۱۴) سنن ترمذی / ج ۳، ص ۵۷۔ رقم ۱۳۱۹

داعی الی اللہ اور سراجِ منیر

ہر رسول اور نبی اپنے فرائض کی انجام دہی اور منصب جلیلہ کے اعتبار سے بشیر بھی ہوتا ہے اور نذیر بھی۔ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں وحی کا انکار اور وحی سے انحراف کرنے والوں کو ان کے عقائد اور اعمال کے عواقب سے ڈراتا ہے اور وحی الٰہی کا اتباع کرنے والوں کو خوش خبری سناتا ہے۔ وہ اپنے پیغام کے حق ہونے کا شاہد ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ بھی دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام اجمعین کی طرح ان مراتب پر فائز ہیں مگر اس فرق کے ساتھ کہ آپ کی نبوت، رسالت، تبشیر، تنذیر اور شہادت آپ کے دور کے ساتھ ساتھ آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہیں، کیونکہ آپ کے رب نے آپ کو رحمۃ للعالمین اور کافۃ للناس بنا کر بھیجا، اور اس شان سے کہ آپ نے عبدیت کی ہر رفعت اور بلندی کو اپنے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اجاگر کر دیا۔ اس عبد کامل کو معراج حاصل ہوئی اور یہ عبد کامل خود انسانیت کی معراج بن گیا۔ یہ معراج ہی تو ہے کہ وہ انسانوں کا مطاع ہے اور اس کی اطاعت اہلِ ایمان کے ایمان کی کسوٹی ہے۔

ہر رسول اور نبی انسانوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ وحی اسی لئے بھیجی جاتی ہے کہ رسول اُسے انسانوں تک پہنچا دے۔ پھر آپ ﷺ کو رسول اور نبی کے ساتھ ساتھ داعی الی اللہ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کی حکمت کیا ہے؟ ہمارے لئے اس کی کیا معنویت ہے؟

اب وہ مرحلہ آگیا ہے کہ ہم اس سوال پر غور کریں کہ: داعی الی اللہ کے ساتھ آپ سراج منیر بھی ہیں۔ ان دونوں صفات کا ایک دوسرے سے کیا رشتہ ہے؟

پچھلے صفحات میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ حضرت ختم الرسل ﷺ سے متعلق کسی آیت کا مطالعہ اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیات کی روشنی میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم حد درجہ مربوط کتاب ہے لیکن اس کی ترتیب اور ربط انسانی کلام سے مختلف ہے۔ قرآن کریم خطبات کا مجموعہ ہے۔ مختلف موضوعات یا ایک ہی موضوع کے مختلف پہلو ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہو کر قرآنِ حکیم میں ہمارے سامنے آتے جاتے ہیں۔ ایک اور نکتے کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اگرچہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات اور آیات کی تفہیم اسباب نزول اور پس منظر کے تابع نہیں، لیکن پس منظر سے تاریخی واقعات اور اسباب کا علم بہت سی آیات اور بعض سورتوں کی معنویت کو واضح تر کر دیتا ہے۔ انسانی معاشرے میں احوال و آثار اپنے آپ کو دہراتے ہیں۔ جس ملک اور جس دور میں مسلمان ابتلا اور آزمائشوں سے گزر رہے ہوں ان کو مکی آیات سے صبر اور استقلال کی دولت حاصل ہوتی ہے، اور جہاں مسلمان برسر اقتدار ہوں انہیں مدنی سورتوں اور آیات سے اسلامی نظام قائم کرنے کے سلسلے میں رہنمائی حاصل ہوگی۔

نبی اکرم ﷺ کو سورۃ الاحزاب میں داعی الی اللہ اور سراج منیر کہا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاO
وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًاO(۱)

اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد (گواہ) بشارت دینے والا اور نذیر (اعمال بد کے نتائج سے باخبر کرنے والا) اور اللہ کی اجازت سے اللہ کی طرف بلانے والا اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔

---

(۱) سورۂ احزاب، آیت ۴۵، ۴۶

ان دونوں آیات میں رسول اللہ ﷺ کے پانچ صفاتی نام ایک ساتھ آئے ہیں ۔ پانچ مراتب، پانچ فرائض ۔ شاہد، منیر، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر ۔ سورۂ احزاب ایک ایسے زمانے میں نازل ہوئی جو آزمائش کا زمانہ تھا ۔ غزوہ احد کے بعد مشرکین مکہ کے حوصلے بلند ہوگئے تھے ۔ بدلتے ہوئے حالات میں یہودی ومنافقین مدینہ نئی سازشوں میں مصروف ہوگئے تھے ۔

غزوہ احد کے بعد کفر کی شرانگیزیاں ایک تسلسل کے ساتھ نظر آتی ہیں ۔ ایک واقعے کے جلو میں دوسرا واقعہ اُبھرتا ہوا ۔ اور ان واقعات کی نوعیتیں بھی مختلف تھیں ۔ ہر محاذ پر اسلام، رسول اسلام ﷺ اور مسلمانوں کو کچلنے کے خواب اور سازشیں ۔ کفر کی طاقتیں یک جا ہونے لگیں، تا کہ اللہ کے دین کو مٹا دیا جائے ۔ نجد کے قبیلہ بنی اسد کی ہمتوں کا یہ عالم کہ وہ مدینہ طیبہ پر یلغار کرنے کی تیاریاں کرنے لگے ۔ عضل اور قارہ کے قبائل نے نبی اکرم ﷺ سے چند مبلغوں اور علما کے بھیجنے کی درخواست کی اور پھر قبیلہ ھذیل کو شاملِ سازش کر کے چھ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کو شہد کر دیا، اور دو صحابیوں کو غلام بنا کر مکہ معظمہ میں اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا گیا ۔ اس سے بھی شدید تر معاملہ اس تبلیغی جماعت کے ساتھ پیش آیا جسے بنی عامر کی درخواست پر نجد کی طرف روانہ کیا گیا ۔ یہ جماعت بیر معونہ کے مقام پر پہنچی تھی کہ بنی سلیم کے قبائل نے ان پر بے دردانہ یلغار کی اور ان چالیس قدسی نفس انسانوں کو شہد کر دیا جن کے سینے ایمان کے خزانے تھے، جن کے ذہنوں میں قرآن محفوظ تھا اور جو ہدایت اور سعادت کے نمونے تھے ۔ ادھر مدینہ منورہ میں بن نضیر کے یہودیوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی ۔

سازشیں، مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف کفر کی طاقتوں کا اجتماع، جھڑپیں ۔ اس سلسلے کے بہت سے واقعات سے ہم صرف نظر کرتے ہیں ۔ اسی پس منظر میں بغض، عداوت، جھوٹ اور پروپگنڈے کے ان طوفانوں اور آندھیوں کا اضافہ کیجیے جو

حضرت زینب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نکاح کے نتیجے میں فضا کو آلودہ اور زہرناک بنا رہی تھیں ۔ حضرت زینب کے ساتھ حضور ختمی مرتبت کا نکاح حکمتِ خداوندی کا ایک نقش جلیل ہے جس کا مقصد تبنیت کے تقدس، حرمت اور تصور کو مٹا دینا تھا اور حضور فرمانِ الٰہی کی وجہ سے نکاح پر مجبور؟ تھے ۔(۲)

سورۃ الاحزاب اس پس منظر میں نازل ہوئی ۔ دونوں سورتیں حضرت نبی کریم ﷺ کی محبوبت اور مقامِ بلند کی دستاویزیں ہیں ۔ ویسے تو کتاب عظیم میں نبی اکرم ﷺ کا تذکرہ، آپ سے خطاب اور آپ کے مقامِ بلند کی نشان دہی کہاں نہیں ہے لیکن سورہ بنی اسرائیل اور سورۂ الاحزاب تو رب کریم کے حرفِ تسلی کا درجہ رکھتے ہیں ۔ نبی اکرام ﷺ کو معراج عام الحزن کے بعد حاصل ہوئی ۔ جب دنیا والوں کی نظر میں رسول اللہ ﷺ تنہا رہ گئے تھے، اپنے شفیق چچا سے محروم ہو گئے تھے، جو آپ ﷺ کے لیے ایک مضبوط تحفظ کا درجہ رکھتے تھے، اور وہ عظیم رفیقۂ حیات آپ سے رخصت ہو گئی تھیں جنھوں نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی تھی اور جو سب سے پہلے اسلام لائی تھیں ۔ ان کی رفاقت آپ لئے زندگی کی راحت تھی ۔ اس وقت آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو اپنی قربت اور رفاقت کی چادر میں لپٹ لیا، آپ کے لئے وقت ٹھہر گیا، لاکھوں بلکہ کروڑوں میل کی مسافت فاصلۂ یک گام بن گئی ۔ آپ کو معراج ملی تو ایسے کہ آپ کی امت کو بھی نماز کی صورت میں معراج عطا کی گئی ۔ سورۂ بنی اسرائیل یہی صداقتیں اپنے دامن میں رکھتی ہے ۔ اسی طرح سورۂ الاحزاب میں بیان کردہ حالات کے پس منظر میں ربِ محمد ﷺ نے اپنے رسول کو حرفِ تسلی سے نوازا آپ ﷺ کے مراتب کو ایک بار بڑی قوت کے ساتھ مشرکین و کفار کے سامنے پیش فرمایا ۔ اور اس میں مومنوں کے لئے

---

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، راقم الحروف کی کتاب، ''حیاتِ محمدی ﷺ، قرآن حکیم کے آئینے میں'' دادا بھائی فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۰ ۔ ۱۷۱ ۔

بھی ثبات اور ایمان کو مضبوط تر کرنے کے پہلو تھے۔ ہم آنے والی سطور میں سورۃ الاحزاب کا قدرے مفصل مطالعہ پیش کریں گے تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ شاہد، مبشر اور نذیر کی صفات کا داعی الی اللہ اور سراج منیر کے ساتھ کیا اور کیسا معنوی رشتہ اور تعلق ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات نے کس طرح مسلم معاشرے کے قوانین کی شیرازہ بندی کی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو جو سماجی اور معاشرتی قوانین عطا کے ہیں ان کا رشتہ نبی اکرام ﷺ کے مرتبے، آپ کی زندگی اور ازواج مطہرات کے مرتبۂ عالیہ سے بہت گہرا ہے۔ الاحزاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ (۳)

نبی اکرام ﷺ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر اللہ پر تکیہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ یہ تخاطب آپ ﷺ کے حوالے سے جماعت مومنین سے ہے۔ یہاں ڈر اور خوف کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس میں اللہ پر اعتماد اور توکل بھی شامل ہے، کیونکہ اللہ پر توکل کی کمی مومن کو، کفار سے اور ان کی قوت سے کسی حد تک خوف زدہ کر سکتی ہے۔ سورۂ الاحزاب کے آغاز نے مسلمانوں میں اس ایمان کو پختہ تر کر دیا ہے کہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور صاحب حکمت ہے، پس اس کے احکام کی پابندی کرو اور نتائج کو اس کے سپرد کر دو۔

اس ابتدائی یقین دہانی کے بعد تبنیت کا مسئلہ پیش فرمایا گیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے اور حضرت زینب ان کی بیوی تھیں۔

حضرت زید کی مطلقہ بیوی سے اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم ﷺ کو نکاح کا حکم دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منہ بولے رشتے کی حُرمت کو ختم کرنے کے لئے عملِ رسول لازم تھا۔ قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ اس رشتے کی حرمت اور تقدس پوری طرح مسلمانوں کے

(۳) سورۃ احزاب، آیت ۱

ذہن سے ختم نہیں ہوسکتی تھی۔ متبنیٰ بیٹے (بیٹی بھی) کے رشتے کو حقیقی رشتے کو مستحکم کرنے کے لئے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا اور اس کے متعلق اہلِ ایمان سے فرمایا گیا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (۴)

ایمان والوں کو نبی ﷺ اپنی جانوں سے زیادہ عزیز اور قریب ہیں، اور نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں ہیں۔

کلامِ ربانی کی معنویت، زندگی سے اس کے رشتے اور ہمارے معاملات میں اس کی رہنمائی پر تو غور کیجئے۔ ایک طرف غیر حقیقی رشتوں کی نفی کی گئی اور دوسری طرف ازواجِ مطہرات کو مسلمانوں کی مائیں قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ دراصل نبی اور ازواجِ نبی ﷺ اور افرادِ اُمت کے تعلق کا بیان ہے۔ تکریم و تعظیم کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ ہمارے والدین سے افضل ہیں اور آج بھی مسلمان سچے دل سے کہتا ہے کہ فداہٗ ابی و امی۔ اور آپ کی ازواج ہمارے لئے ماؤں سے زیادہ واجب التعظیم ہیں۔ تعظیم بھی اس درجے کی کہ مسلمانوں پر نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان کی ازواج سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام قرار دے دیا گیا۔ ساتھ ہی قرآن عظیم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس رشتہ اور احترام کا کوئی تعلق احکام میراث سے نہیں ہے۔

ربطِ آیات کو سمجھنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہم کسی سورت کے مرکزی موضوع کا تعین کر لیں۔ جیسا کہ عرض کر کیا گیا کہ سورۂ احزاب کا موضوع نبی اکرم ﷺ کے مراتب عالیہ کا بیان ہے۔ نبی اکرم ﷺ مومنوں کو اپنے نفس اور جان سے زیادہ عزیز تھے، اس حقیقت کے بیان کے بعد میثاق انبیا کا ذکر کیا گیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝

(۴) ایضاً، آیت ۶

لِيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا O (۵)

اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد اور میثاق لیا اور آپ سے اور نوحؑ سے اور ابراہیمؑ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ سے تو ہم نے ان سے مضبوط عہد و میثاق لیا۔ تا کہ اللہ سچوں سے ان کے سچ کو معلوم کرے (اور) اس کی تصدیق کرے اور ہم نے منکروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام سے عہد لیا تھا کہ وہ اپنے فرائض نبوت مکمل یک سوئی اور تکمیل کے ساتھ ادا کریں گے، ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے اور ایک دوسرے کا زمانہ پانے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اور تمام انسانوں کی روحوں سے بندگی کا عہد لیا گیا تھا۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ O اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ O وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ O (۶)

(اے نبی ﷺ لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسلوں کو نکالا تھا اور انہیں خود ان پر گواہ بنا کر سوال کیا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' اور انہوں نے

(۵) ایضاً، آیت ۸ (۶) سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲۔۱۷۳

جواب دیا تھا'' بیشک (آپ ہمارے رب ہیں) ہم اس کی شہادت
دیتے ہیں'' (ہم نے اس لئے کیا تھا کہ) تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ
دو کہ تم اس بات سے بے خبر تھے یا یہ نہ کہہ دو کہ شرک (کا آغاز تو
ہمارے آباو اجداد نے کیا تھا اور) ہم تو ان کے بعد کی نسل ہیں تو کیا
آپ ہمیں اس جرم کی سزا میں ہلاک کر دیں گے جو گم راہوں نے کیا
تھا۔ اور اس طرح ہم آیات (اور نشانیاں) کھول کر پیش کرتے ہیں
کہ لوگ پلٹ آئیں۔

اِس میثاق ازل سے تخلیق آدم و کائنات کا ایک عجیب پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے جو انسان اور کائنات کی تخلیق کے سلسلے کی حیرتوں کو ہم پر واضح کرتا ہے۔ اللہ نے سارے انسانوں کو ابتدائے آفرینش میں پیدا کیا۔ وہ سارے انسان جنہیں قیامت تک پیدا ہونا ہے اور یہ آنے والی نسلیں روح اور اجسام کے ذراتِ ترکیبی کا امتزاج تھیں۔ تخلیقِ نبی آدم کا لطیف نکتہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کو جس طرح ہمارے ذہنوں میں بٹھاتا ہے کسی اور طرح ممکن نہیں اور اِس کو سمجھنے والے ہی ''حیرت خانۂ امروز و فردا'' کو ہی نہیں بلکہ تخلیق کے تمام نکات کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کہکشائیں، یہ لاتعداد سورج، چاند، کرے اور عالم، یہ لامتناہی فضائے بسیط۔ (۷)

میثاقِ انبیا کے بعد ہم نے روحوں کے میثاق ازل کا ذکر کیا تاکہ تخلیق اور سلسلۂ تخلیق کی تصویر نظروں کے سامنے آجائے۔ عام میثاق کے ساتھ ہی تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے فرائض نبوت کی انجام دہی کے سلسلے میں میثاق لیا گیا۔ قرآنِ حکیم نے اس

---

(۷) بعض مفسرین کے نزدیک عہد الست سے مراد عبدیت اور بندگی کا وہ داعیہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے، معبود کے سامنے سر جھکانا انسان کے عناصر ترکیبی میں شامل ہے، ان کے نزدیک یہ میثاق تمثیلی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

سلسلے میں پانچ نبیوں کا نام لے کر ذکر کیا ہے۔ یہ انکا اکرام اور اعزاز ہے اور حضور ﷺ کا ذکر (مِنکَ) حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرتِ عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے کیا گیا۔ یہاں تاریخی ترتیب برقرار نہیں رکھی گئی ہے۔ یہ ہر زمانے اور ساری انسانیت کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علوئے مرتبہ کا ربانی اظہار ہے، اور اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ تخلیق میں بھی زمانی تقدم کے مالک ہیں۔ یہ بحث مقدمہ کتاب مقام محمد ﷺ حدیث کی روشنی میں (۸) آچکی ہے۔

کُنتُ اول النّاسِ فِی الخلقِ وَ اٰخِرَھُمْ فِی البَعْثِ (۹)

میں تخلیق میں سب انسانوں میں سے پہلا ہوں اور بعثت و نبوت میں آخری۔

سورۃ الاحزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں (آیت ۹ سے آیت ۲۷ تک) اللہ نے غزوۂ خندق کی تفصلات اس طور پر پیش کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے شاہد، مبشر اور نذیر ہونے کی وضاحت ہو جاتی ہے اور سارے پہلو اور گوشے نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ کفار کے لشکروں کی یلغار کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور دل حلق میں دھڑکنے لگے۔ منافقوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وعدوں کو فریب قرار دیا اور اہلِ یثرب سے کہا لاَ مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا "تمہارے لئے کوئی ٹھکانا نہیں۔ لوٹ چلو" اور منافقوں کے جھوٹے عذر اور حیلوں کے دفتر کھل گئے۔

اس صورت حال نے نبی اکرم ﷺ کو "شاہد"، "مبشر" اور "نذیر" کے طور پر پیش کیا۔ آپ ہر شخص کے ارادوں اور ہر واقعے کے گواہ تھے۔ منافقوں کا نفاق اور جھوٹ آپ کے سامنے آپ کے اللہ نے کھلی کتاب کی طرح پیش کر دیا اور یہ حقیقت

---

(۸) ششماہی السیرہ عالمی، شمارہ ۲ (۹) طبقات ابن سعد/ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء/ ج ۱/ ص ۱۱۹

سامنے آ گئی کہ جو اللہ اور رسول کے وعدوں اور بشارتوں پر پورا یقین رکھے اور آزمائش کی گھڑی میں ثابت قدم رہے وہی مومن ہے اور جو حیلہ، کاہلی اور کام چوری کو اپنائے وہ منافق ہے۔ ان منافقوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے، مگر فرار پر آمادہ ہو گئے۔ نذیر مبین ﷺ کے ذریعے اللہ انہیں یہ ''ڈراوا'' (تنذیر) سنا رہا ہے کہ ''اے رسول کہہ دو کہ اس فرار سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر تم نے موت یا قتل ہونے کے خوف سے راہ فرار اختیار کی تو اس کے بعد (زندگی اور) عیش کی مہلت کم ملے گی کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے'' (۱۰)

اور دوسری طرف اہل ایمان کے سینے یقین اور ایمان کے سورج کا مطلع تھے۔ وہ تو جیسے اس امتحان کے منتظر تھے۔ انہیں تو اسی ساعت سعید کا انتظار تھا جب انہیں اپنے عہد وفا کو پورا کرنے کا موقع ملے اور جب اللہ تعالیٰ ان کے صدق، سچائی اور وفاداری کی جزا انہیں عطا فرمائے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ○ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ (۱۱)

اور جب مومنوں نے (کفر کی اتحادی) فوجیں دیکھیں تو کہا یہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے اپنا (وعدہ) سچ کر دکھایا (اور اس لشکر کشی نے) ان کے ایمان اور طاعت وتسلیم میں اضافہ کر دیا۔

(۱۰) سورۃ احزاب، آیت ۱۶۔۱۷ (۱۱) ایضاً، آیت ۲۲۔۲۳

یہ ہے رسول ﷺ کی شہادت، تنذیر اور تبشیر کا اثر منافقون اور مومنوں پر۔ رسول کی شہادت بے خطا اور معتبر ہے۔ منافقوں کی نفسی کیفیت، اور روحانی خوف، اندیشۂ موت اور اس کے تحت جہاد سے بے زاری۔ مومنوں کا کفار کے لشکر جرار کو دیکھ کر اللہ اور رسول کے وعدوں پر بڑھتا ہوا یقین۔ اور یہ سارا منظر نامہ کس لئے مرتب ہوا تھا؟ اگلی ہی آیت یعنی ۲۴ ویں آیت میں اس کا سبب پیش کر دیا گیا ہے۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (۱۲)

اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ صادقوں کو ان کے صدق اور سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو عذاب دے اور چاہے تو ان پر توبہ ڈال دے (اور ان پر رجوع کرلے) بیشک اللہ بڑا مغفرت والا اور رحیم ہے۔

اور ان آیات سے پہلے رب ذوالجلال کا یہ اعلان نظر آتا ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱۳)

بیشک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت، ان کی تبشیر اور ان کی تنذیر سے مومنوں کی راہیں منور ہوتی ہیں اور قیامت تک منور ہوتی رہیں گی، ان کے اعمال کی تقلید ہی نجاتِ ابدی کا راستہ ہے۔ اس طرح رسول اللہ نے جماعت مومنین کو اللہ کی طرف بلایا، ان کے یقین اور ایمان میں اضافہ فرمایا اور آپ کو داعی الی اللہ اور سراجِ منیر کہہ کر آپ کی دائمی دعوتِ حق اور آپ کے راستے کی ابدی صداقت اور روشنی کی توثیق فرمادی گئی۔

داعی الی اللہ کے ساتھ باذنہ کا ٹکڑا اپنے اندر مفاہیم و مطالب کی دنیا ئیں سمیٹے ہوئے ہے۔ ہر نبی اللہ کی طرف اس کے اذن ہی سے بلاتا ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ وسلم کے

---

(۱۲) ایضاً آیت ۲۴ (۱۳) ایضاً آیت ۲۱

لئے باذنہ میں معانی کے کتنے ہی پہلو موجود ہیں، اللہ کے اذن میں یہ بات بھی موجود ہے کہ رب کائنات نے رسول کائنات ﷺ کو اس منصب عالی اور اس مرتبہ دوامی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیسے وسائل اور کے لوازم اور کیسے مرتبوں سے نوازا۔ آپ آنے والے ہر دور کے داعی ہیں اسی لئے آپ کو قرآن حکیم عطا کیا گیا۔ بڑی حکمت، بڑی قوت بڑی عظمت، بڑے شرف و منزلت کی کتاب۔ وہ کتاب جو قیامت تک آپ کی بشارتوں اور ڈراوے کو انسانوں تک پہنچاتی رہے گی۔ اور یہ تبشیر و تنذیر آپ کی شہادت کے ساتھ وابستہ ہے۔ شہادت کے معانی اور امکانات اپنے مقام پر پیش کیے جا چکے ہیں۔

داعی الی اللہ باذنہ میں دعوت کے راستے کی مشکلوں، رکاوٹوں، آزمائشوں اور مزاحمتوں کے ساری حقائق بھی آگئے ہیں۔ یہ دعوت اللہ کی استعانت، اجازت اور حکم کے بغیر نہیں دی جا سکتی تھی۔ انسان تو انسان، یوں محسوس ہوتا تھا کہ مکہ معظمہ کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کا دشمن ہو گیا ہے اور دشمنی و ظلمات کے اس ریگ زار میں اللہ کے حکم سے استقامت و رحمت کے چشمے پھوٹ نکلے اور ذات محمدی کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیوں کو سیراب کر گئے۔

پھر اندھیروں میں گھرے ہوئے ظلمت پرستوں کو بتایا گیا کہ ہمارا رسول شاہد، بشیر و نذیر، داعی اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ سراج منیر'' بھی ہے۔ روشن چراغ۔ بعض مفسرین نے یہاں سراج منیر سے مراد قرآن عظیم لیا ہے، لیکن کلام کی ترتیب اور صفات کے تسلسل پر ادنیٰ تامل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ صفت بھی حضرت ختم الرسل محمد مصطفےٰ ﷺ ہی کی ہے۔ اور ''سراج'' محض چراغ نہیں بلکہ سراج سورج کو بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ سورج کے معنی میں قرآنِ مجید میں بھی استعمال ہوا ہے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ (۱۴)

---

(۱۴) سورۂ نوح، آیت ۱۶

اوران (آسمانوں) میں چاندکونوراور سورج کو چراغ بنایا۔

سورج کوتو ''سراج'' کہا گیا اور نبی اکرم ﷺ کوسراجِ منیر۔ سورج تو طلوع و غروب کے مرحلوں سے گزرتا ہے لیکن یہ سراج منیر تا قیام قیامت افق ہدایت و زیست وتاریخ پر روشن رہے گا۔ سورۂ الاحزاب کی اسی آیت سے بعض مفسرین و فقہانے انبیائے کرام علیہم السلام اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی حیات فی القبر پر استدلال کیا ہے۔

داعی الی اللہ اور سراجِ منیر کے باہمی تعلق کو واضح کرتے ہوئے حضرت قاضی ثناءاللہ صاحبؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ آپ ﷺ کی صفت داعی الی اللہ توظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے اور سراج منیر کی آپ کی صفت آپ ﷺ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مومنوں کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی وہ ساری امت سے افضل واعلیٰ قرار پائے کیونکہ ان کے قلوب نے قلب نبی کریم ﷺ سے بلاواسطہ عیاناً فیض اور نور حاصل کیا۔ (۱۵)

(۱۵) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ہفتم، ص ۱۷۷

اول المؤمنین، صاحب اور اولیٰ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کائنات جل جلالہ نے جتنی عظیم اور گراں ذمہ داریوں کا اہل بنایا وہ ہی آپ کے مقامِ بلند کی اساس ہیں، اور ان ذمہ داریوں اور فرائض کا ذکر کتاب اللہ میں مختلف مقامات پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم کے ہر قاری اور طالب علم پر ذمہ داریوں اور منصب کی رفعت و بلندی اور ان دونوں کا باہمی تعلق روشن ہوتا جاتا ہے۔ خود قرآنِ حکیم کی آیات ایک ایسے بارِ امانت کی طرح ہیں کہ پہاڑ پر نازل ہوتیں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا، صرف قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بارِ عظیم کو برداشت کر سکتا تھا اور یہ قوت بھی عطیہ رب تھی۔ سورۃ المزمل کی دو آیتوں میں یہ عظیم حقیقت اس طرح پیش کی گئی ہے کہ حیاتِ محمد ﷺ کے کتنے ہی ابواب ان کے آئینے میں جگمگاتے نظر آتے ہیں۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ○ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ہِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا○ (۱)

ہم آپ (ﷺ) پر ایک بھاری (اور عظیم) کلام نازل کرنے والے ہیں اور حقیقت یہ ہے رات کو اٹھنا نفس پر قابو پانے اور

(۱) سورۃ المزمل، آیات ۵۔۶

قرآن ٹھیک (اور اس کی عظمت کے مطابق) پڑھنے کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

ان آیات سے پہلے رات کو نماز اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے، یوں قرآن اور نماز کا رشتہ واضح ہوگیا اور یہ بھی ہمیں معلوم ہوگیا کہ ترتیل اس بوجھ کو برداشت کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اپنے تخیل کو کام میں لایئے اور دیکھئے کہ پوری کائنات میں صرف ایک فرد راتوں کو اپنے رب کے حضور قیام و رکوع و سجود میں مصروف ہے، تاکہ تعلیمات الٰہی کو انسانیت تک پہنچانے کی ذمہ داری کی اہلیت کو درجہ کمال تک پہنچا سکے، اور اس کی یہ تربیت نگاہ خداوندی کے سامنے ہو رہی ہے۔ اس ایک فرد کا یہ عمل ساری دنیا سے کٹ کر اپنے رب سے رشتہ جوڑنے کا راستہ ہے، اور اس لئے کہ کفر اور ظلمت کی شب تاریک سے انسانیت کو نجات مل سکے۔

ہر رسول سب سے پہلے اپنی رسالت پر ایمان لاتا ہے کیونکہ اس کو رسول بنا کر بھیجنے والی ذات پر اس کو حد درجہ اعتماد ہوتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ اس جہانِ شش جہات میں ممکن نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آیات انفس و آفاق اسے اس طرح دکھاتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اس کے لئے اپنے رب کی معرفت کا ایک باب بن جاتا ہے۔ کبھی نبی کا وجود خود ایک معجزہ بن جاتا ہے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)، کبھی رسول اپنے خالق کی آواز سنتا ہے اور یہی آواز اس کے لئے ''مشہود'' حقیقت بن جاتی ہے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کبھی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مقام خلت پر اس طرح فائز فرماتا ہے کہ زندگی حدیث دوست بن جاتی ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام)، اور کبھی وہ اپنے دل کی زندگی کو ایک ایسا صحیفہ بنا دیتا ہے کہ رسول کی زندگی کا ہر لمحہ اس کی نازل کی ہوئی کتاب کی عملی تفسیر بن جاتا ہے (حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان کی زندگی کو اہل ایمان کے

لئے بہترین نمونہ قرار دیا جاتا ہے۔(لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) (۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے رسول آئے وہ اپنی قوم اور عہد کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ یہ سلسلۂ بعثت انبیائے عظام علیہم السلام، حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کے طور پر چھٹی صدی عیسوی میں مبعوث ہوئے اور آپ کا زمانِ نبوت جاری ہے اور تا قیامت تک جاری رہے گا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جاری زمانے (جس کے دورانیے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے) کے ''مسلم اول'' ہونے کا شرف حاصل ہے اور رہے گا۔

ان تمام ''پہلے مسلمانوں'' کی سوانح اور واقعاتِ حیات میں بہت سے مشترک پہلو ہیں۔ ان کا اضطراب، اپنی قوموں کے راہِ راست پر آنے کے لئے اللہ سے ان کا رجوع، ان کی بے چینی، قوم کی طرف سے ان کا تمسخر، ان سے معجزوں کا مطالبہ اور عجیب و غریب معجزات کی طلب، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لئے حرفِ تسلی، ان کی دل دہی۔ ان مسلسل آزمائشوں کے سلسلوں میں انبیا کی سب سے بڑی قوت اللہ تعالیٰ سے ان کی قربت تھی۔ کم وبیش تمام رسولوں کو ان کے مرتبوں کے مطابق معراج حاصل ہوئی۔ کوئی نہ کوئی نقطۂ عروج، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''معراج کبریٰ'' حاصل ہوئی۔

ان رسولوں کی زندگیوں میں بے یقینی اور رشک کا کوئی لمحہ نہیں آیا۔ انہوں نے اپنے مالک وخالق سے اگر کوئی تمنا کی یا کسی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اس لئے کہ جن بنیادی باتوں کی وہ انسانوں کو تعلیم دے رہے تھے، ان کو اپنا ذاتی تجربہ بنا کر وہ شہادت دینا

---

(۲) سورۂ احزاب، آیت ۲۱

چاہتے تھے کہ ہم ان حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے کسی شک کی بنا پر نہیں تھا۔ وہ تو اس کی گواہی قوم کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی حیات کے ذریعے انہیں دکھا دیا۔ اس میں یہ نکتہ آپ کے سامنے رہے کہ چاروں پرندوں کو مارنے کے بعد ان کو ملا دیا گیا، اور پہاڑوں پر یہ ٹکڑے رکھ دیئے گئے، اور حضرت ابراہیم نے ان کو آواز دی تو وہ اڑتے ہوئے نہیں بلکہ چلتے ہوئے ان کے پاس آئے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (۳)

اور (اے نبی ﷺ اس واقعے کو بھی یاد کرو) جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب مجھے بھی تو دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں آتا (حضرت ابراہیم نے) کہا کیوں نہیں۔ لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم چار پرندے لے لو پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لو (مانوس کرلو) پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا، ہر پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر ان کو (اپنے پاس) بلاؤ تو وہ سب تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بیشک اللہ

(۳) سورہ بقرہ، آیت ۲۶۰

زبردست حکمت والا ہے۔

حضرت موسیٰ نے اپنے رب کو دیکھنے کی تمنا کا اظہار کیا، جواب ملا کہ تم نہیں دیکھ سکو گے، لیکن ذرا پہاڑ پر نظر ڈالو، اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا، حضرت موسیٰؑ ہوش میں آئے تو ان کے لب پر یہ کلمات تھے کہ بیشک آپ منزہ و پاک ہیں اور میں ایمان لانے والوں میں پہلا ہوں۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۴)

اور جب (حضرت) موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو (حضرت) موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! تو مجھے دکھا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ پھر اگر وہ (پہاڑ) اپنی جگہ قائم رہا تو تم بھی مجھے جلد دیکھ لو گے۔ پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو (تجلی نے) ریزہ ریزہ کر دیا اور (حضرت) موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے، میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں

(۴) سورۂ اعراف، آیت ۱۴۳

سے ہوں۔

رسولوں کے مسلم اول ہونے کا ذکر قرآن حکیم میں مختلف سیاق وسباق میں ملتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی بے تابی اللہ تعالیٰ سے کلام کے بعد پیدا ہوئی، کلام کو سننے کے بعد صاحب کلام کو دیکھنے کا اشتیاق ایک فطری بات تھی، لیکن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان اپنی دعوت کے سیاق وسباق میں کیا، اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ قرآن نے کہا کہ اے رسول، منکروں سے کہہ دو کہ ذرا زمین میں گھوم پھر کر یہ تو دیکھ لیں کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ اور یہ بھی دیکھ لیں کہ یہ زمین و آسمان کس کے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے ہیں، اور تم جو اس طرح اترائے اترائے پھر رہے ہو اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت واجب کر لی ہے، ان سے کہہ دو کہ اللہ ہی زمین و آسمان کا خالق ہے، اور یہ بھی کہہ دو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اسلام لانے والوں میں سے پہلا ہو جاؤں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۵)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پوچھئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ کا ہے۔ (تو بہ

(۵) سورۂ انعام، آیت ۱۲-۱۴

کرنے والوں پر) رحمت کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔
وہ قیامت کے روز تمہیں ضرور جمع کرے گا جس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے وہ تو ایمان نہیں لائیں گے اور جو کچھ رات اور دن میں رہتا ہے وہ سب اسی (اللہ) کا ہے اور وہی سنتا (اور) جانتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا، جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے، کسی اور کو اپنا مددگار بنالوں، حالانکہ وہی سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں فرماں برداری کروں اور یہ بھی (حکم ہوا ہے) کہ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب الٰہی اور حدیث و قرآن کے رشتے کو سمجھنے کے لئے کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَه کو اس حدیث قدسی کے آئینے میں دیکھئے کہ

ان رحمتی تغلب علی غضبی (۶)

میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے۔

مسلم اول ﷺ کا سارے مسلمانوں کے لئے عملی نمونہ ہونا نہایت منطقی بات تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق آیات کی تعداد محدود ہے، تو پھر حضرت عائشہؓ نے اس سوال کے جواب میں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایئے، یہ کیوں فرمایا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ بات یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں انبیائے ماسبق کا ذکر ہے، اور جہاں جہاں مسلمانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ سارے مقامات

(۶) مسلم/ج ۴، ص ۲۶۰-۲۱۰۷، رقم ۲۷۵۱۔ ابن ماجہ/ج ۴، ص ۲۷۰-۲۷، رقم ۴۲۹۵

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے دائرے میں آجاتے ہیں، جب آپ مواجہ شریف پر حاضری کے لئے باب السلام سے داخل ہوں تو مسجد نبوی کی دیوار پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرام لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان ناموں میں صفی اللہ اور کلیم اللہ بھی شامل ہیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا کی صفات کے جامع ہیں، آپ ﷺ کی صفات کی جامعیت و کاملیت پر علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے خطبات مدراس میں جو کچھ لکھا ہے ہماری زبان و ادب میں شاید اس کی مثال نہ ملے۔ فارسی کا نعتیہ شعر بے حد مشہور ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس مضمون کو جمیل نقوی مرحوم نے اردو میں اس طرح ادا کیا ہے کہ اردو فارسی زبان پر اپنی فوقیت کا اظہار کر سکتی ہے۔

آپ کے اور محاسن بھی ہیں، بے حد و شمار
حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا کے سوا

اسی طرح قرآن حکیم میں مومنوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان سب کا سرچشمہ ذات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یوں دیکھئے تو رسول اللہ ﷺ کا ذکر قرآن حکیم میں کتنے عنوانات کے تحت ہے، جہاں کہیں ایمان، جہاد، ہجرت، عدل، اخوت و مساوات، تعاون، احسان، رجوع الی اللہ کی تعلیم دی گئی ہے وہ دراصل اتباع اسوۂ حسنہ کی تعلیم ہے۔ ایسے مقامات کا احاطہ کسی مقالے میں ممکن نہیں، مطالعہ قرآن کے سلسلے میں یہاں یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ قرآن کی ایک آیت بھی کئی مسائل کا احاطہ کرتی ہے اور ہر پہلو تفکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے، سیاق و سباق کے بدلنے کے ساتھ اور واقعات و

حوادث کے وقوع کے ساتھ قرآن حکیم کی تعلیمات کے نئے پہلو نظر کے سامنے آتے جاتے ہیں، ہم چند پہلوؤں کو مختصراً پیش کرتے ہیں۔

سورۂ انفال کی آیت ۷۲ میں ان کا ذکر ہے جو ایمان لائے، جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے اموال و انفس کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا، اور جنہوں نے ایک دوسرے کی مدد و نصرت کی، اسی سلسلۂ کلام میں ان کے لئے کہا گیا:

أُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (۷)

وہی سچے مسلمان ہیں، جن کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

ان دو آیتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسلمانوں کی اجتماعی و انفرادی زندگی کے کتنے ہی پہلو سمٹ آتے ہیں، اس آیت (سورۂ انفال، آیت ۷۲) کا یہ پہلو نہایت قابل توجہ ہے کہ جہاد مال و نفس کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی ہر وہ صلاحیت جو اللہ نے عطا کی ہے اور ہر وہ چیز جو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کی مدد سے تم نے خود حاصل کی، پھر یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے راستے میں ہر کوشش جہاد کے دائرے میں آجاتی ہے، اور جہاد صرف قتال تک محدود نہیں۔

افراد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ میں بھی ان صفات نبویہ ﷺ کا ہونا ضروری ہے، قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے، کیونکہ فلاح کا راستہ یہی ہے، اور یہی وہ نسخہ اور راستہ ہے جو تفرقے کو روکے گا، جو اس راستے پر چلیں گے وہ آپس کے نقصان دہ

---

(۷) سورۂ انفال، آیت ۴

اختلاف سے بچیں گے۔ کیونکہ یہ اختلاف فلاح کی جگہ عذاب عظیم کا موجب بنے گا۔

وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ O وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ O (۸)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور بری باتوں سے منع کرے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور تم ان جیسے نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے۔ اور بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچ چکے تھے وہ باہم اختلاف کرنے لگے اور انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

قرآن حکیم نے مومن کی انفرادی اور شخصی خصوصیات اور مسلم معاشرے اور ہیئت اجتماعیہ کے عناصر ترکیبی دونوں کو پیش کیا ہے۔ چند مقامات آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ چند اور سورتوں کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہیں گے، سورۂ مومنون اور سورۂ فرقان کی طرف۔

قرآنِ حمید کے مطالعے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، تبلیغ، امن و جنگ میں آپ کی مساعی جمیلہ پر غور کرنے سے ہم پر یہ نکتہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام ایسے افراد پر اپنی معاشرتی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے، جو ایمان اور اعمال صالحہ کو اپنی ذات کا حصہ بناتے ہوئے، ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین اور وصیت کر کے اجتماعی طور پر

---

(۸) سورۂ آل عمران، ۱۰۴، ۱۰۵

اسلام کو نافذ کرتے ہیں۔

اس اسلامی معاشرے میں نماز کا ادارہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے، یہ فرد اور جماعت کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیتا ہے کہ نماز قلب کی یک سوئی، اپنی تعمیر اور جماعتی نظام کے استحکام کی علامت ہے، نماز میں خشوع اہل ایمان کی اس بنیادی صفت کا استعارہ ہے جو ان کے اجتماعی کردار میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

اس معاشرے کے افراد صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کی منزل پر رک نہیں جاتے بلکہ اپنی ذات کا تزکیہ کرتے ہیں، اُن کے پاکیزہ اعمال نشوونما اور تطہیر قلب ونظر کا وسیلہ بنتے ہیں۔ ان کی عصمت وعفت افراد کی زندگیوں سے شروع ہو کر پورے معاشرے کی تطہیر کا ذریعہ بنتی ہے۔

یہ معاشرہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ، حدود کی حفاظت کرتا ہے، اس معاشرے کے افراد اور یہ معاشرہ اجتماعی طور پر اپنے عہد و پیمان، وعدوں اور امانتوں کی حفاظت کرتا ہے، اس اجتماعی صورت ہی کا نام اسلامی ریاست ہے۔ یہ معاشرہ اس دنیا کے بعد آنے والی دنیا اور زندگی میں ہمارے سکون اور فردوس کی وراثت کا ضامن ہوگا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ O الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ O وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ O وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ O وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ O اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ O فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ O وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ O وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ O اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ O الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ O (۹)

بیشک ایمان والوں نے فلاح پائی۔(یہ وہ ہیں) جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے، سو یقیناً ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو کوئی اس کے علاوہ (لذت نفس کے لئے) کچھ اور چاہے تو وہی (حد شرعی) سے تجاوز کرنے والے ہیں اور (مومن وہ ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ (بھی مومن ہیں) جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ کے بندوں اور ان کے طرز عمل کو کس طرح سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں سمیٹ لیا گیا ہے، یہ اسلوب قرآنِ مجید کے معجزہ ہونے کا ثبوت ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا O وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا O وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا O اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا O وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا O وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ

(۹) سورۃ المومنون، آیت ۱ تا ۱۱

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ (۱۰)

اور رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہی ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے بے علم لوگ بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں (اور الگ ہو جاتے ہیں)۔ اور وہ جو اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں اور وہ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! جہنم کو ہم سے دور رکھ، یقیناً اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بیشک وہ تو بہت برا ٹھکانا اور بہت برا مقام ہے، اور وہ جو خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل

(۱۰) الفرقان، آیات ۶۳ تا ۷۷

اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو حق کے سوا قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں، اور جو کوئی ایسا کام کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ قیامت کے روز اس کو دوہرا عذاب ہوگا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا۔ سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے، اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو تحقیق اس نے اللہ سے سچی توبہ کی۔ اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو کرامت کے ساتھ (بغیر التفات کے) گزر جاتے ہیں، اور جب ان کو ان کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ ان میں غور کرتے ہیں) اور وہ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالاخانے دیے جائیں گے جہاں ان کو دعا و سلام پہنچایا جائے گا۔ وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت ہی اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اس کو نہ پکارو تو میرے رب کو تمہاری (ذرا بھی) پروا نہیں۔ البتہ تم جھٹلا تو چکے سو بہت جلد سزا لازم ہوگی۔

اللہ کے بندوں کی عاجزی، ایک صالح نظام کی سربلندی کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور جاہلانہ جارحیت کو یہ عبادالرحمٰن اپنی خاموشی کے ذریعے پسپا کردیتے ہیں، راتوں میں ان کا قیام، سجود، معاشرے میں انصاف کی صبح کی نوید بن جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا اقتصادی نظام قائم کرتے ہیں جس میں نہ بخل کے ذریعے انسانی ضروریات کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور نہ اسراف کے ذریعے پیداوار کے ذرائع ضائع کیے جاتے ہیں، اس نظام میں انسانی جان کو محترم قرار دیا جاتا ہے۔ جھوٹی گواہی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور انسانی نسب کی حفاظت نیک چال چلن کے ذریعے کی جاتی ہے۔

اسی معاشرے کے قیام کے لئے اللہ کے رسولوں نے وہ جدوجہد کی جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی اور اس جدوجہد کے لئے انہوں نے سب کچھ قربان کردیا۔ ان کی تکذیب کی گئی، ان کا مذاق اڑایا گیا، ان کو اذیتیں دی گئیں، ان کو قتل کیا گیا، انہیں آرے سے چیرا گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی صدیوں کی تبلیغ اور جدوجہد نے ان کی قوم کے بیشتر افراد پر کوئی اثر نہیں کیا کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارہ تیرہ سال مسلسل امتحان تھے۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ کے جسم اطہر پر گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینکا گیا۔ آپ کو اس مسجد حرام میں کعبہ کی دیوار کے سائے میں بے رحمی اور بے دردی سے اس قدر مارا گیا کہ آپ ﷺ کی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی، موت سے قریب تر ہوگئی۔ حضور ﷺ کا سفر طائف حق وصداقت کی ہزاروں برس کی جدوجہد کا سب سے کڑا اور جان گسل مرحلہ تھا کہ پہاڑوں کے فرشتے نے آپ سے آکر عرض کیا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ان ظالموں کو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں اور رحمۃ للعالمین نے اس درخواست کے جواب میں اپنے رب سے ان

ظالموں کے ایمان لانے کی دعا فرمائی۔

رسولوں نے اپنی قوموں اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی فلاح و نجات کے لئے کیا کچھ دکھ نہیں جھیلے اور وہ بھی کسی اجر اور معاوضے کے تصور کے بغیر قرآن کریم میں رسولوں کا یہ اعلان بار بار ملتا ہے کہ:

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۱۱)

میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، میرا اجر تو میرے رب کے پاس ہے۔

قرآن نے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ رسول انسان ہیں، اگر وہ انسان نہ ہوتے بلکہ فرشتے یا کوئی اور نوری مخلوق ہوتے تو انسان کے مسائل کو کیسے سمجھتے؟ انسانوں کی نفسیات کا ہر گوشہ ان کے لئے کھلی ہوئی کتاب کی مانند تھا۔ مشرکین اور کفار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ رسول ہماری طرح انسان کیسے ہوسکتے ہیں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بازاروں میں چلیں پھریں، کھائیں پئیں اور دوسرے بشری تقاضوں کو پورا کریں۔

رسولوں کو اپنے ہم قوموں اور ساتھیوں کے ساتھ جو محبت تھی اس کو اولیٰ اور صاحب کی اصطلاحوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ اولیٰ کے معانی ہیں بڑا خیر خواہ، بہت دوست، بہت قریب، زیادہ حق دار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت مومنین کے رشتے کو پیش کرتے ہوئے رب کائنات نے فرمایا:

اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ (۱۲)

رسول اللہ مومنوں پر خود ان کے نفس سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور ان کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

---

(۱۱) سورۃ الشعراء، آیت ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰ (۱۲) سورۃ الاحزاب، آیت ۶

سورۂ احزاب کی چھٹی آیت کا یہ ابتدائی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے مسلمانوں کے باہمی رشتے کا جامع ترین بیان ہے۔ رسول اللہ ہم پر ہماری جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، ان کو اپنی ذات، اپنے والدین اور ساری دنیا سے زیادہ عزیز رکھنا ہمارے ایمان کی کسوٹی ہے۔ اس محبت کے دائرے بہت وسیع ہیں اور ان میں سے اہم ترین دائرہ اطاعت کا دائرہ ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جو آدمی ہم سے بہت قریب ہو، ہمارے درمیان رہے، اس کی کوئی بات ہم سے ڈھکی چھپی نہ ہو تو یہ قربت اس کا احترام کم کر دیتی ہے، لیکن انبیائے کرام اور ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معجزہ یہ ہے کہ اس قربت نے ان کے احترام اور ان سے محبت میں اضافہ ہی کیا ہے، اس رشتے کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا صاحب قرار دے کر بیان کیا ہے، یعنی وہ ذات، جو امت کے ساتھ وابستہ اور پیوستہ ہے، سورۂ النجم کا آغاز یوں ہوا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى O مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى O (۱۳)

قسم ہے گرتے ہوئے ستارے کی، تمہارے صاحب (ساتھی) نے نہ راستہ گم کیا ہے) اور نہ وہ ٹیڑھے راستے پہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارا صاحب اور ساتھی کہہ کر لوگوں کو یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے تمہارے ساتھ زندگی کے کم و بیش پچاس، اکیاون سال گزارے، اس کی زندگی کا ہر لمحہ ہر واقعہ، ہر موڑ تمہارے سامنے ہے۔ تم تو خود اس کی شہادت دیتے رہے ہو کہ وہ صادق ہے، امین ہے، تمہارا خیر خواہ ہے، وہ بھلا راہِ حق سے منہ کیسے موڑ سکتا ہے۔ وہ طبعی اور خلقی طور پر تم جیسا بشر سہی، مگر ہم نے اسے وحی کے قابل بنا

(۱۳) سورۂ النجم، آیت ۱،۲

کر اسے سر بسر نور بنا دیا۔ اس کے شب و روز نور ہی نور ہیں، اس کی تعلیمات نور ہیں، اور یہ نور قیامت تک انسانیت کی راہوں کو منور کرتا رہے گا۔